يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ

مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ

عین شریعت بطریقش درست

شرع اگر عین نباشد شر ست

مختارات الصُّوفیہ

یعنی

رسالہ المنح المدنیہ مولفہ حضرت شیخ محمد عبدالباقی انصاری لکھنوی

نزیل مدینہ منورہ کا ترجمہ جو حسب ایمائے عالیجناب نواب

حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب بہادر سی ایس آنریری سکرٹری

مدرسۃ العلوم علی گڑھ بہ نظر افادۂ مسلمانان

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی

مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ میں ۱۹۱۷ء طبع ہوا

اخلاق محمدیؐ

یہ کتاب اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ ہے جس سے تمام مسلمان اپنی زندگی کو سنت نبوی اور اسوۂ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے مطابق بنا سکتے ہیں یہ کتاب اپنے دوسرے تاریخی نام تقویم الاخلاق کے لحاظ سے بھی اسم بامسمےٰ ہے روزانہ زندگی کے تقریباً ہر پہلو کے متعلق آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ (معہ ترجمہ) درج کی ہیں کھانا، پینا، سونا، جاگنا، اُٹھنا، بیٹھنا، پہننا اوڑھنا، ملاقات، حقوق و فرائض غرض جملہ امور کے متعلق قرآن و حدیث کی ہدایت موجود ہے اس کو پڑھ کر ہر انسان راہ ہدایت پا سکتا اور ہر مسلمان اپنی زندگی طریق سنت پر لا سکتا ہے۔ کتاب کی اصل خوبی کا تصوّر صرف اس کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے قیمت (حصۂ اوّل و دوم) عہ ہر

علمای سلف

ہماری قومی زبان اُردو کے مشہور مصنف جناب مولنا مولوی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی کی نہایت مقبول تصنیف (جو عربی کی مستند ترین تاریخی کتابوں کے تقریباً چھ ہزار صفحات کے عمیق مطالعہ کا نتیجہ ہے) بغرض فروخت موجود ہے۔ اس کتاب سے ایک نظر میں معلوم ہو سکتا ہے کہ اپنے عروج کے زمانہ میں مسلمانوں کے اندر علم کا کس قدر ذوق تھا اور مسلمان علما کی پبلک اور پرائیویٹ زندگی کی کیا کیفیت تھی مختصر یہ ہے کہ ایسی کتاب دنیا کی کسی زبان میں آج تک نہیں لکھی گئی۔ کتاب کی خوبی صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ بیان اور زبان کی پاکیزگی

(بقیہ صفحہ ج پر ملاحظہ ہو)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض حال

جس طرح مذہب اسلام کو دین الٰہی ہونے کا شرف حاصل ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اُسے یہ عزت بھی عطا فرمائی ہے کہ اس اُمت مرحومہ میں ایسے نفوس قدسیہ بھی ہر قرن میں موجود ہوں گے جن کی مخلصانہ زندگی اور للّٰہیت کی حیات ایک آئینۂ حق نما ہوگی۔

چنانچہ اس چودھویں صدی میں جو قحط الرجال ہے وہ حقیقت بین نگاہوں سے مخفی نہیں نہ کوئی حکمت نظری میں کامل ہے نہ حکمت عملیہ میں ماہر۔ عقائد خراب، اخلاق تباہ معاملات پراگندہ۔

ہاں مدعیان علم وعمل کی جوق درجوق فوجیں ہیں جنہوں نے تدلیس وتلبیس کے جامے میں نمودار ہوکر رہروان صراط مستقیم پر غارتگری کا تہیہ کرلیا ہے۔ علیٰ ہذا قوائے عملیہ کے تعطل کا نام توکّل رکھا ہے۔

لیکن وہ حیّ وقیوم جس نے اپنے دین قدیم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے وہ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے اصلاح امت کی خدمت اُس کے سپرد فرماتا ہے اور یہ بندہ اپنی صدق وصفا کی ڈوبی ہوئی زندگی جس کا شعار ودثار شریعت محمدی ہوتی ہے اس اخلاص ودردمندی سے اصلاح اُمت کے لئے وقف کردیتا ہے کہ بندگان الٰہی حق وباطل میں صاف تمیز کر لیتے ہیں الحمد للہ کہ حضرت شیخ عبدالباقی صاحب انصاری لکھنوی نزیل مدینہ منورہ زادہا اللہ ضیاءً ونوراً اللہ پاک کے انھی برگزیدہ بندوں میں ہیں جنھیں صحیح معنوں میں مصلحین اُمت کا مصداق کہا جاسکتا ہے

حضرت شیخ مدظلّہ نے زمانے کا رنگ دیکھکر اُس کی اصلاح کی جو کوششیں کہ فرمائی ہیں اُن میں سے ایک یہ رسالہ ہی۔ آپ نے اقتضای وقت کی حاجت کو سمجھا اور مناسب خیال فرمایا کہ یہ امر اچھی طرح واضح کردیا جائے کہ ہر عطیۂ الٰہی سے صحیح خدمت لینا اہل تصوّف ہی کا شیوہ ہے دین ودنیا کو جمع کرنیوالی (بلکہ نام نہاد دنیا کو عین دین بنانے والی) صوفیاے کرام ہی کی زندگی ہے یہی وہ جماعت ہی جس کے اخلاق کریمانہ کی خلق

دالہ وشیدا ہو جاتی ہے اور خالق کی رضا و خوشنودی سے جن کا دامان عمل مالا مال ہوتا ہے۔ دنیا میں اُنکا وجود رحمت الٰہی ہے اور قوام و نظام شریعتُ الحق کے دم سے وابستہ

حضرت شیخ مدظلہ نے اس رسالے میں ترتیب مضامین اس طرح رکھی ہے کہ پہلے عقائد صوفیہ کو نہایت بسط و ایضاح سے بیان فرمایا ہے جس کو پڑھ کر بخوبی عیاں ہو جاتا ہے کہ ارباب تصوّف کے دل و دماغ کیسے صحیح و مستحکم عقائد سے منور ہوتے ہیں۔ فاسدۃ العقیدہ کبھی صوفی ہو نہیں سکتا وہ بازی گری کے لاکھ تماشے دکھلائے لیکن عرفان کی خوشبو بغیر تصحیح عقائد کے پا نہیں سکتا عقائد کے بعد شیخ مدظلہ نے مصطلحات صوفیہ کے معانی بتائے ہیں۔ پھر مقامات اہل تصوف کو سمجھایا ہے آخر میں آداب صوفیہ لکھ کر کتاب ختم فرمائی ہے۔

اگرچہ کتاب کا موضوع تصوّف ہے اور اسی کے مسائل متعلقہ کا اصل میں بیان ہے لیکن علاوہ نکات تصوّف کے طالب حق کے لئے اور بھی بہت سے بیش بہا فوائد ہیں جن کے علم سے ایک خاص بصیرت حاصل ہوتی ہے۔

چونکہ رسالہ مختصر ہے اس لئے بیان مسائل میں بھی اختصار ہے جس کے سبب سے بعض مسائل مزید بیان کے لیے مجبوراً تشنہ رہ گئے مثلاً توحید و وحدۃ الوجود کے مسئلے یا اسم اعظم کا بیان لیکن پھر بھی ایک مبتدی کو اوسط حال تک پہونچانے میں یہ کتاب کافی راہ بر ہو سکتی ہے اسی طرح مقامات اہل تصوّف کے اظہار میں بھی ایجاز سے کام لیا گیا ہے ورنہ مقامات کی کوئی انتہا نہیں **شعر**

اے برادر بی نہایت درگہیست | ہرچہ بروے می رسی بروے مایست

مثلاً جس طرح توبہ، ورع، توکل، ترک وغیرہ مقامات ہیں اسی طرح ترک توبہ، ترک ورع، ترک توکل، ترک ترک یہ سب بھی مقامات ہیں اور اُن کی ایک خاص حقیقت ہے پھر سالک جب فنا کے تمام مراتب طے کرلیتا ہے اور فنا فی الفنا کے مرتبے پر پہونچتا ہے یا جب سیر من اللہ و سیر الی اللہ سے سیر فی اللہ شروع کرتا ہے تو وہاں بے شمار مقامات ہیں جو نہ لکھے جا سکتے ہیں نہ نقوش و حروف میں لائے جا سکتے ہیں یہ تصوّف ہے یہاں لکھنا بیکار اور کرنا باکار **شعر**

قدم باید اندر طریقت نہ دم | کہ اصلے ندارد دم بے قدم

ہاں بعض ایسے جواں مرد بھی راہ خدا میں گذرے جن پر "طال لسانہ" صادق آتا تھا لیکن اُن کی باتیں بھی انھی جیسا سمجھ سکتا تھا۔

منازل سلوک کے باخبر مسافروں سے یہ امر بھی مخفی نہیں کہ ہر مقام کا احاطہ سالک اپنی استعداد و قوت کے مطابق کرتا ہے۔ اس رسالے میں مقامات کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے وہ ایک خاص قوت کے لحاظ سے ظاہر کی گئی تاکہ مبتدی کو ترقی میں سہولیت ہو اور ایک طالب باخبر ہو کر مقامات کی جستجو کرے آئندہ اگر طلب کامل ہے اور شیخ طریقت کی توجہ اُس کے شامل حال اور صحیح راہ سے سلوک کی منزلیں طے کی جارہی ہیں تو سالک آگے چل کر خود آگاہ ہو جائے گا۔

ہاں اگر کسی کو مزید تفصیل و توضیح دیکھنی ہو تو وہ عوارف قوت القلوب و احیاء العلوم وغیرہ کا مطالعہ کرے اور کسی مرد راہ رفتہ سے اُس کے کنایات سمجھتا بھی جائے مولٰنا مدظلہ نے جو کچھ اس مختصر تحریر میں جمع فرمادیا ہے وہ بھی بجائے خود کافی ہے۔

ہاں ایک امر قابل لحاظ ہے جس کا گذارش کردینا نہایت ضروری ہے کہ مولٰنا نے منجملہ مقامات کے ایک مقام سماع بھی تحریر فرمایا ہے اس مقام کو بیان فرماتے ہوئے ابتدا میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ "سماع محبوب کی جانب شوق کو بھڑکاتا ہے اور اکثر بزرگان طریقت نے اسکو پسند فرمایا ہے مگر ہمارے پیشوا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے سماع کے موافق نہیں ہے" مولٰنا مدظلہ کی اس تحریر کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا مقامات صوفیہ میں سے کوئی مرتبہ ایسا نہیں جسے سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ پایا ہو چاہے وہ سماع ہو یا ترک سماع وہ مقام مقام ہی نہیں جسے سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے نہ پایا ہو۔ اگر سماع کوئی مقام ہے تو بیشک حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اُسے پایا اور اُس سے پھر آگے بڑھ گئے اور اگر سماع سے مراد وہ لی جائے جسے سرزمین ہند میں "قوالی" کہتے ہیں اور جسے خواجگان چشت سنتے ہیں (اور غالباً یہی مراد ہے اس لئے کہ تمام بیان اسی کو مشتمل ہے اور اُسی کی شرائط و آداب مسطور ہیں) تو پھر سماع کی بحث مقامات کے ذیل میں ایک امر زاید ہے بہرحال ہم مولٰنا کے ممنون ہیں جو آپ نے یہ خدمت انجام دی۔

اصل رسالہ مولٰنا کا عربی زبان میں تھا۔ عالی جاہ نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب آنریری سکریٹری

علی گڈھ کالج جب زیارت حرمین سے مشرف ہوئے اور مدینہ طیبہ کے علما و مشائخ سے ملکر اپنے درد دل کی دوا فرمائی تو انھی ایام میں مولنا موصوف سے بھی ملاقات ہوئی پھر کیا تھا۔ شعر

بنال بلبل اگر بامنت سر یاری ہست — کہ ما و تو عاشق زاریم وکار ما زاری ست

ایک دل دردمند دوسرے دردمند دل سے ملا اور دونوں نے ملکر یہ نسخہ تجویز کیا مولنا نے یہ رسالہ لکھا اور نواب صاحب ممدوح نے اپنے صرف سے اُس کو مدینہ منورہ میں طبع کرایا۔

لیکن چوں کہ رسالہ کی زبان عربی ہے باوصف اس کے کہ متعدد اخبارات میں اس کا ذکر ہوا اور کئی سال سے اس کا بہ کثرت اشتہار ہو رہا ہے اس کی اشاعت خاطر خواہ طور پر نہیں ہوئی اور جہاں جہاں اس کے نسخے بغرض اشاعت رکھے گئے تھے وہاں بدستور ان کے انبار لگے ہوئے ہیں اور نواب صاحب نے اپنی جانب سے جن اصحاب کی خدمت میں یہ رسالے بھیجے تھے نظر بہ حالت یہ امر نہایت مشتبہ ہے کہ ان صاحبوں میں سے شاید بمشکل پانچ فی صدی اصحاب نے اس کے مطالعہ کی تکلیف گوارا فرمائی ہو انا للہ و انا الیہ راجعون۔

خدائے تعالیٰ جزائے خیر دے نواب صاحب ممدوح کو کہ اُنھوں نے ان غایت درجہ افسوسناک واقعات کا لحاظ کرکے اس کے اُردو ترجمہ کا حکم دیا۔ چنانچہ جناب مولوی محمد حلیم صاحب انصاری ردولوی (جو ایک ذی علم اور مشاق عربی مترجم ہیں) ان کو تکلیف دی گئی اور باوصف ان کے ترجمہ پر ہر قسم کا اعتماد ہونے کے اُس کی نظر ثانی بغرض مزید احتیاط شمس العلما مولنا خلیل احمد صاحب اسرائیلی پروفیسر علی گڈھ کالج سے کرائی گئی اور اب یہ رسالہ تیار ہو کر شایع ہوتا ہے دعا ہے کہ خدا مسلمانوں کو اس سے کماحقہ مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور نواب صاحب ممدوح کو دونوں جہاں میں اس کی جزائے خیر عطا فرمائے آمین

علی گڈھ:
۸ر مارچ ۱۹۱۶ء

محمد مقتدی خاں شروانی
اسسٹنٹ ایڈیٹر انسٹی ٹیوٹ گزٹ
و منیجر انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڈھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

صوفیائے کرام بڑے پایہ کے اہل سنت و جماعت ہیں۔ امام قشیری کا قول ہے کہ "تمام آدمی دو قسم کے ہیں یا صرف نقل اور روایت کو ماننے والے اور یا عقل اور فکر سے بھی کام لینے والے۔ مگر گروہ صوفیہ کے بزرگ ان دونوں قسم کے آدمیوں سے بالاتر ہیں۔ کیونکہ جو امر دوسروں کے لیے پوشیدہ ہے وہ انکے نزدیک ظاہر و ظاہر ہے۔ اور تمام دنیا جس مقصد کے لیے علم و فن حاصل کیا کرتی ہے صوفیا کو وہ بات خدا کی جانب سے حاصل ہے۔ یہ خدا رسیدہ ہیں اور دوسرے آدمی دلیلوں کے دلدادہ اور انھیں کے جال میں گرفتار رہکر مقصد اصلی سے واماندہ۔"

جنید بغدادیؒ کہتے ہیں "ہمارا علم تصوف قرآن و حدیث کا بڑا پابند ہے" اور فرماتے ہیں۔ بجز اس شخص کے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں کامل ہو اور کوئی خداشناسی کا رستہ ہی نہیں پا سکتا۔" جنید کے اس مقولہ کو بلبل شیراز سعدیؒ نے یوں نظم کیا ہے۔ ؎

پندار سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز بر پے مصطفےٰ

خرازؒ کہتے ہیں:۔ ہر ایسا باطن جو ظاہر شریعت کے خلاف ہو باطل و ناکارہ ہے۔

دُرّانیؒ فرماتے ہیں :- اکثر اوقات قلب میں اہل تصوف کے باریک اقوال خدشے پیدا کرتے ہیں۔ ایسے وقت میں اُن کا مان لینا میں اسپر موقوف رکھتا ہون کہ قرآن و حدیث کے دو معتبر گواہ اُنکے درست اور بجا ہونے کی شہادت دین "

غوث اعظمؒ کا قول ہے :" پیروی کرو اور اپنی طبیعت سے کوئی نئی بات پیدا نہ کرو۔"

غرضکہ ان بزرگوں اور ان کے علاوہ تمام مشائخ کرام کے اقوال کا نچوڑ یہی ہے کہ اسی حکم اور طریقے کی پیروی کرنی چاہیے جو قرآن و حدیث مین بھی موجود ہے۔

اور رسالہ اُمہات میں آیا ہے کہ :- دنیا مین اہل دل کو دو کے سوا تیسرا کوئی نہ نظر آئیگا ایک خود اپنی ذات، اور دوسرے اپنے خدا کی ذات۔ اسلیئے صوفی کو خدا کی رضا و قضا کا پورا پورا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اُسے چاہیئے کہ وہ اپنے قلب کو احکام ایزدی کا مخزن بنائے اور اپنے معاملات میں منشاء قدرت ہی کا پابند رہے۔ خدا کے سوا کسی کی طرف نظر نہ کرے اور اس بات سے پرہیز رکھے کہ خدا تعالیٰ اُس کو وہاں دیکھے جہاں سے اس کو منع کیا ہے اور جس جگہ ٹھہرنیکا اُسے حکم ملا ہے وہاں سے غیر حاضر پائے یا اپنے ماسوا کسی دوسرے کی جانب متوجہ دیکھے۔

وصل اوّل

عقائد صوفیہ

تمام صوفیا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خدائے پاک کی تمام صفتیں جن کے ساتھ اس کا وصف کیا گیا ہے - وہ خواہ ثبوتی ہوں یا سلبی - بہر حال سب اس کے لیے ثابت ہیں اور یہ کہ خدا کے سمع و بصر ہے اسکے ہاتھ ہین اور منہ ہے مگر یہ کہ اس کی یہ چیزیں حقیقتہً دوسرے گوش چشم ہاتھوں اور منھوں کی مانند نہیں ہیں۔

اور مشائخ صوفیہ کا اسبات پر بھی اتفاق ہے کہ خدا کی سمع و بصر اور اسکے ہاتھ اور منہ محض صفتیں ہیں، اعضا اور جوارح یا اجزا ہرگز نہیں اور اسپر بھی سب کا اجماع ہے کہ یہ چیزیں نہ عین ذات ہیں اور نہ ذات کے غیر۔ اور یہ کہ خدا تعالیٰ کے لیے صفتوں کے ثابت ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ ان صفات کا محتاج ہے اور انہیں کے ذریعے سے اشیا کو فعل میں لاتا ہے بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ اُن صفات کے اضداد کی نفی ہو جاے اور ان صفات کی ذات کا اثبات یوں ہو کہ وہ خدا کے ساتھ قائم بالذات ہیں۔

خدا کے آنے، اُترنے اور لانے کے بارہ میں صوفیہ کے اقوال مختلف ہیں جمہور صوفیہ کی راے یہ ہے کہ یہ باتیں بھی باری تعالیٰ کی صفتیں ہیں جو اُسکو سزاوار ہیں اور یہ کہ ان صفات کی اس سے زیادہ اور کوئی تعبیر نہیں کی جاسکتی کہ اُن کو صرف بیان اور نقل کر دیں انپر ایمان لانا ضروری ہے اور انکے متعلق بحث کرنا غیر ضروری۔

صوفیہ کا قول ہے کہ خدا روز ازل سے خالق، باری، مصور، غفور، حلیم اور شکور ہے اور یوں ہی اس کی تمام صفتیں ازلی ہیں یعنی اُنکی کوئی ابتدا اور انتہا نہیں۔

صوفیہ کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ قرآن درحقیقت کلام خدا ہے وہ نہ مخلوق ہے اور نہ محدث۔ وہ ہماری زبانوں سے تلاوت کیا جاتا ہے ہمارے مصحفوں میں لکھا ہوا ہے اور ہمارے سینوں کے اندر محفوظ ہے مگر ان میں حلول نہیں کرتا ہے۔ جیسے کہ ہم دل سے خدا کو جانتے ہیں۔ زبان سے اسکا نام لیتے ہیں اپنی مسجدوں میں اس کی عبادت کرتے ہیں مگر خدا ان چیزوں میں حلول نہیں کیے ہوتا ہے۔

صوفیہ کا اجماع آرا یہ ہے کہ خدا نہ جسم ہے اور نہ جوہر ہے اور نہ عرض ہے۔ وہ باتفاق اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ قیامت کے دن خدا آنکھوں سے دکھائی دیگا۔ اُسے مومن بندے دیکھیں گے اور کافر نہ دیکھ سکینگے۔

وہ باجماع یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا میں خدا نہیں دیکھا جاتا۔ نہ آنکھ اُسکو یہاں دیکھ سکتی ہے

اور نہ دل سے اسکا دیکھنا ممکن ہی صرف چشم یقین کے ذریعے دنیا میں رویت الہی ہو سکتی ہی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب میں خدا کو کیونکر دیکھا ؟ اس بارہ میں
صوفیہ کا اختلاف ہی جنید اور نوری اور خزاز اور اُنکے ہمخیال مشائخ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے خدا تعالی کو اپنی ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھا تھا اور نہ کوئی مخلوق دنیا میں دیکھ سکتا
ہی۔ اور دوسرے بزرگون کا قول ہی کہ نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کا دیدار
اپنی آنکھوں سے کیا اور تمام مخلوقات میں یہ دیدار الہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی
کے لیے خاص کردیا گیا۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خدای پاک سے کلام کرنے میں
مخصوص ہوئے تھے۔

مشائخ صوفیہ کا اس بات پر اجماع ہی کہ "اللہ بندون کے تمام افعال کا خالق ہی جسطرح
کہ وہ بندوں کا خالق ہی ویسے ہی اُنکے افعال کا بھی خالق ہی اسلیے بندے جو کچھ بھی کرتے
ہیں خدا ہی کی قضا اور قدرت اور اُسی کے ارادہ اور مشیت سے کرتے ہیں۔

انکی اجماعی رائے یہ ہی کہ تمام انسان سانس لینے پلک جھپکانے اور کسی حرکت کے کرنے
میں بھی مختار نہیں ہین خدا ہی اسکے لیے ان میں ایک قوت کا احداث فرماتا ہی اور ایک
استطاعت کو انکے افعال کے ساتھ ہی ساتھ پیدا کرتا ہی جو کام سے ذرا بھی آگے یا پیچھے
نہیں ہوتی اور نہ بندوں کا کوئی فعل بغیر اس استطاعت کے وجود میں آسکتا ہی۔ انکے
نزدیک استطاعت سے وہ قوت مراد ہی جو صحیح و سالم اعضاء میں پیدا ہوتی ہی۔

صوفیہ کا اس بات پر بھی اجماع ہی کہ درحقیقت بندوں کے افعال اور کسبی اعمال
ایسے ہیں کہ وہ انکی جزا اور سزا پائینگے۔ صوفیہ کے نزدیک کسب اس فعل کا نام ہے
جو قوت محدثہ کے ذریعے سے وجود میں آتا ہی۔

اور یہ بھی اجماعی قول ہی کہ بندے اپنے کسب کے مختار ہیں وہ اپنے ہی ارادے
سے سب کام کرتے ہین خدا انہیں اکساتا نہیں ہی اور نہ مجبور بناتا ہی۔ اور بندوں کے مختار ہونے

کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے اُنکیلئے ایک قسم کا اختیار پیدا کیا ہی اور وہ اختیار تفویض کے طور پر نہیں ہے

پہر انکا اجماعی قول ہی کہ اللہ اپنے بندوں کے ساتھ جو چاہتا ہی کرتا ہی اور جو چاہے حکم کرتا ہے عام اس سے کہ وہ فعل الٰہی اور ارادہ ایزدی بندوں کے حق میں بہتر ہو یا بدتر۔

وہ بالاجماع مانتے ہیں کہ خدا نے اپنے بندوں پر جو کچھ احسان کیا ہی۔ انہیں جو کچھ نصیحت فرمائی ہی اور سلامتی دی ہی یا ایمان اور ہدایت بخشی ہی۔ یہ سب اسکا کرم ہی اگر وہ ایسا نہ کرتا تو بہی روا تہا اللہ پر یہ فضل و کرم کرنا کچھ ضروری نہیں ہی

صوفی کا اجماعی عقیدہ ہی کہ اگر اللہ اپنی تمام آسمان و زمین کی مخلوق کو عذاب دے تو بہی وہ ہرگز ظالم نہو گا اور اگر خدائے تعالیٰ تمام کافروں کو جنت میں لیجائے تو یہ بہی کچھ محال نہیں ہی لیکن خدا تعالیٰ نے چونکہ خود فرما دیا ہی کہ وہ مومنوں پر ہمیشہ انعام کریگا، اور انہیں ابدی راحت بخشیگا اور کافروں کو دائمی عذاب دیگا، اسیلیے یہی ہوگا اور اسکے سوا کوئی اور صورت نہیں ہو سکتی کیونکہ اللہ پاک اپنے قول میں صادق ہی اور اس کا جہوٹا ہونا محال ہی۔

صوفیہ کا اجماعی مسئلہ ہی کہ خدا چیزوں کو کسی علت یا سبب سے فعل میں نہیں لاتا۔ اور یہ کہ جس چیز کو خدا نے بُرا بنادیا وہ بُری ہی اور جس شے کو اچھا فرما دیا وہ اچھی ہی۔ مطلق وعید کافروں کے بارہ میں ہی اور مطلق وعدہ نیک عمل کرنے والوں کے حق میں۔

بعض صوفیہ کا عقیدہ ہی کہ کبائر یعنی سخت گناہوں سے بچنے کی وجہ سے چہوٹے گناہوں کی معافی خدا پر واجب ہو جاتی ہی۔ اور بعض کا قول ہی کہ نہیں چہوٹے گناہ بہی بڑے گناہوں کی طرح ہیں جسطرح خدا تعالیٰ کبیرہ گناہونکی سزا دیتا ہی اسی طرح صغیرہ گناہوں کی سزا بہی درست ہی۔

ہاں ان کے نزدیک یہ بات ہو سکتی ہے کہ مشیت ایزدی سے اور شفاعت کے ذریعے سے گناہ کبیرہ بھی معاف کر دیا جائے۔

صوفیہ اس بات کو ضروری مانتے ہیں کہ نمازی لوگ لامحالہ بسبب اپنے ایمان کے دوزخ سے نکل آئیں گے۔

اور صوفیہ کے عقیدہ کا ماحصل یہ ہے کہ مومن آدمی کو خوف اور رجاء (بیم و امید) دونوں چیزیں رکھنا چاہیے۔ وہ خدا کے فضل کا اسقدر امیدوار رہے کہ بڑے بڑے گناہوں کی معافی کا بھی امیدوار ہو اور سزا دینے کے بارہ میں اللہ کے عدل کا اتنا خوف کرے کہ چھوٹے سے چھوٹے گناہ پر بھی عذاب سے ڈرتا رہے۔

صوفیہ کے عقیدہ کی ایک عجیب کیفیت یہ ہے کہ جن باتوں سے خدا نے انسان کو منع کیا ہے اُن سے باز رہنے کے بارہ میں ذرا بھی کمی کرنے کو وہ خدا کا حق ادا کرنے میں تقصیر مانتے اور اس کو بہت بُرا جانتے ہیں۔ ان کی خواہش رہتی ہے کہ انسان خدا کے اس حق کو پوری طرح ادا کرے اور یہ کہ انسان احکام ایزدی کو یوں بجا لائے کہ عمل کی شرطوں میں بھی کچھ کمی نہ دکھائے۔

مگر اسی کے ساتھ وہ دوسرے آدمیوں کے حق میں رحمت ایزدی کے بہت بڑے امیدوار ہیں اور خود اپنی نسبت عذاب الٰہی کا بحد خوف رکھتے ہیں گویا کہ عذاب کا دھڑکا انکے خیال میں انہیں کو دلایا گیا ہے اور وعدہ رحمت انکے سوا صرف اور آدمیوں کے لیے مخصوص ہے۔

صوفیہ کا ایک اجماعی عقیدہ یہ بھی ہے کہ شفاعت کا ہونا سچ ہے اور صراط کا وجود بھی حق ہے اور صراط ایک پل ہے جو پشت دوزخ پر بنایا جاویگا اور یہ بھی مانتے ہیں کہ میزان حق ہے۔ اور اُس میں بندوں کے اعمال تولے جائینگے۔ اگرچہ انکو شفاعت۔ صراط اور میزان کی اصلی حالت کا کوئی علم نہیں ہے لیکن وہ ان تمام چیزوں کے بارہ میں جنکا ادراک بندے

نہ کرسکیں یہ کہتے ہیں کہ "خدا نے جو کچھ فرمایا اور اس فرمانیسے اُسکی جو کچھ بھی مُراد ہی ہم اسی پر ایمان لاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر بھی اُس کی اُسی مراد کے مطابق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لی ہی ہمارا پختہ یقین ہے"

صوفیہ اس بات کو مانتے ہین کہ جس آدمی کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اللہ اس کو دوزخ سے ضرور نکال لیگا۔

وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ جنت اور دوزخ دونوں خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ موجود ہین نہ انہیں فنا ہی اور نہ تباہی کا سامنا۔ اور اسی طرح جنتی اور دوزخی بھی اپنی اپنی جگہوں میں ہمیشہ رہین گے اور وہاں سے نہ نکلیں گے ہمیشہ ناز و نعمت میں رہیں گے ان کا آرام کبھی زایل نہوگا۔ اور جن کو عذاب کا سامنا ہے وہ اسی حالت میں ابدالاباد تک مبتلا رہینگے۔

صوفیائے کرام عامۂ مومنین کی ظاہری حالت کو دیکھکر اُنکے ایمان لانے کو ٹھیک مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انکی اندرونی حالت کا علم خدا کو ہی اگر وہ درست نہو تو خدا خود اُن سے سمجھ لیگا۔

وہ اسلامی دنیا کو دارالایمان اور دارالاسلام مانتے ہیں۔ وہاں کے باشندوں کو ایمان و اسلام کی وجہ سے مومن کہتے ہیں اور اگر ان میں سے کوئی فسق و فجور کا ارتکاب کرتا ہی تو وہ اپنے اعمال کا خود جواب دہ ہی۔

صوفیہ کی رائے میں ہر اہل قبلہ کی میت پر نماز جنازہ پڑھنا چاہیے اور اسی طرح انکا مسلک یہ بھی ہی کہ ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھ لینا درست ہی خواہ وہ نیک ہو یا بد۔

صوفیہ کا عقیدہ ہی کہ حج۔ جہاد۔ جمعہ اور عیدوں کی نماز اُن تمام مسلمانوں پر ہر حال واجب ہی جنکو کچھ عذر نہو۔ اور وہ خلافت کو برحق مانتے اور کہتے ہیں کہ خلافت صرف خاندان قریش ہی میں منحصر ہی۔

بالاجماع حضرت ابی بکر رضی اللہ عنہ کو رسول خدا صلعم کا خلیفہ اول مانتے ہیں پھر انکے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ دوم پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ سوم اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چہارم تسلیم کرتے اور ان کی تقدیم کے قائل ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ رسول خدا صلعم کے صحابیوں اور سلف صالح کے نیک طرز عمل کی پیروی ضروری ہے اور ان کے آپس میں جو کچھ جھگڑے بکھیڑے ہو گئے اُن سے ہم کو کچھ تعلق نہیں۔ صوفیہ کے خیال میں صحابہ کی یہ لڑائیاں اور باہمی جھگڑے اُن کی اُن خوبیوں میں کوئی نقصان نہیں لاسکتے جو پہلے وہ اطاعت احکام الہی اور ادائے فرائض طاعت کی صورت میں کر چکے ہیں۔

صوفیہ اس بات کو مانتے ہیں کہ رسول خدا صلعم نے جس شخص کو جنتی فرمادیا وہ ضرور جنتی ہے اور اُسے ہرگز دوزخ کا عذاب نہوگا۔

صوفیہ کا عقیدہ ہے کہ حکام پر شمشیر کشی اور ان سے بغاوت کرنا درست نہیں۔ اگرچہ حکام ظالم ہی ہوں۔

وہ کہتے ہیں کہ نیک کام کی ہدایت اور بُرے کام سے روکنا ہر اُس شخص پر واجب ہے جس میں دوسروں کو روکنے کی استطاعت ہو اور وہ نیک ہدایت اور بُرے کام سے منع بھی کرے تو مہربانی نرمی محبت اور شفقت و لطف کے ساتھ اور اچھی باتوں کے ذریعہ سختی اور جبر سے ہرگز کام نہ لے۔

صوفیہ کا ایمان ہے کہ قبر میں عذاب ضرور ہوگا اور منکر و نکیر سوال بھی کرینگے۔

معراج نبوی کو وہ درست مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے پاک ساتویں آسمان تک اور وہاں سے بھی آگے جہانتک اس نے چاہا لیگیا۔ اور یہ آسمانی سفر معراج کی رات میں بحالت بیداری آپ کو جسم و بدن کے ساتھ کرایا۔

صوفیائے کرام رویا (یعنے سچے خواب) کو ٹھیک مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

اس قسم کا خواب اہل ایمان کے لیے خوشخبری ہی اور کافروں کے حق میں تنبیہ ہی۔
وہ کہتے ہیں کہ جو شخص اپنی موت سے مرتا ہی یا مار ڈالا جاتا ہی ہر حالت میں اپنی زندگی کے دن پورے ہی کر کے مرتا ہی۔ انکے نزدیک مقررہ زندگی اور وقت کو بیچ میں سے کاٹنا غیر ممکن ہی کیونکہ خدا نے اپنے کلام پاک میں فرمادیا ہی "اذا جاء اجلہم الآیۃ" کہ جب لوگوں کی موت کا وقت آجاتا ہی تو وہ اس سے ایک ساعت بھی آگے یا پیچھے نہیں ہوسکتے
صوفیہ رحمہم اللہ مانتے ہیں کہ مومنوں کے کم سن بچے جنت میں اپنے والدین کے ساتھ ہونگے۔ مگر مشرکوں کے شیرخوار بچوں کے بارہ میں انکی راے مختلف ہی۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ ان کو عذاب نہوگا اسلیے کہ اللہ پاک دوزخ کا عذاب اُسی وقت دیتا ہی جب پہلے سرکش اور نافرمان بندہ کو راہ ہدایت دکھا کے حجت پوری کرلے اور وہ بندہ اب بھی احکام الہی کو نہ مانے۔ اُسپر احکام کی پابندی واجب ہونے سے پہلے گرفت کا کوئی موقع نہیں اور مشرکین کے معصوم بچے احکام کی بجاآوری کے زیر بار نہیں ہیں۔ اور اکثر مشائخ کرام کا یہ عقیدہ ہی کہ مشرکین کے کمسن بچوں کا معاملہ خدا ے پاک کے ہاتھ میں ہی وہ چاہے اُن کو عذاب دے اور چاہے جنت کے عیش و آرام میں رکھے سب جائز ہے۔
صوفیاے کرام موزوں پر مسح کرنے کو بالاجماع حق و صحیح مانتے ہیں۔
وہ جائز سمجھتے ہین کہ خدا رزق حرام دے سکتا ہی۔
صوفیہ اس بات کو بہت ناپسند کرتے ہیں کہ دین کے بارہ میں جھگڑا کیا جائے یا اس میں کوئی شک و شبہہ کرے اور ایسے ہی وہ تقدیر کے باب میں جھگڑے اور بکھیڑے کو پسند نہیں کرتے۔
انکی راے میں آدمی کو یہ لازم ہی کہ جہانتک ہوسکے اپنے حقوق اور فرائض کے ادا کرنے میں مشغول رہے اور دین کی معاملہ میں کسی سے جھگڑا یا بحث و مباحثہ نکرے۔

وہ طلب علم کو تمام کاموں سے برتر مانتے ہیں اور علم سے مراد وقت کا علم ہی جو اُن پر ظاہر و باطن ہر حیثیت سے واجب ہی۔

وہ زبان رکھنے والی اور بے زبان ہر قسم کی خلق خدا پر اخیر درجہ مہربان ہوتے ہیں۔ انکے پاس جو کچھ ہو اُسے خرچ کرنے میں بیحد سخی ہوا کرتے ہیں اور دوسرے آدمیونکی ملکیت کے بارہ میں بہت خدا ترس ہوتے ہیں دنیا کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتے۔ اور سنت رسول اور آثار سلف کے بیحد متلاشی رہتے ہیں جن کی پیروی سے وہ کبھی نہیں چوکتے

صوفیہ کا اجماعی عقیدہ ہی کہ خدا نے اپنے بندوں پر اپنی کتاب پاک میں جتنی باتیں فرض کی ہیں یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ذریعے جن امور کو واجب بنایا ہی ان سب کی پیروی تمام بالغ و عاقل آدمیوں پر ضروری اور لازم ہی ان میں سے کسی امر کی فروگذاشت ہرگز درست نہیں نہ ان میں کسی طرح کی کوئی کمی کی جاسکتی ہی۔ ہر شخص پر اُن کی پابندی اور بجاآوری لازم ہی خواہ وہ کسی درجہ اور رتبہ کا آدمی ہو نہ صدیق کی اس بات سے نجات ہی اور نہ ولی کو نہ عارف کو رہائی کی صورت۔ چاہے کتنا ہی خدا کی قرب میں صاحب رتبہ آدمی ہو۔ اُسکا درجہ مقام اور منزل کیسی ہی بلند ہو مگر یہ غیر ممکن ہی کہ قوانین شریعت سے آزاد ہو سکے اور خدا کے احکام کی پابندی سے مرفوع القلم بنایا جائے۔ کسی بندہ کے لئے آداب شریعت سے کنارہ کشی ممکن نہیں نہ کوئی خدا کی حرام قرار دی ہوئی باتوں کو حلال اور اُس کی حلال بنائی ہوئی اشیاء کو حرام کرسکتا ہی اور نہ بغیر کسی عذر یا علت کے کسی کے سر سے کسی فرض کا بار اتر سکتا ہی اور عذر اور علت بھی وہی معتبر ہی جسپر مسلمانوں کا اجماع ہو گیا ہی اور احکام شریعت انکو قبول کرتے ہیں بلکہ صوفیائے کرام کے مسلمات سے ہی کہ بندہ جتنا عالی رتبہ صاف باطن اور بلند مقام ہو اُسی قدر اُس کو عبادت ایزدی میں زیادہ کوشش کرنا لازم ہی اور اسکا عمل بہت خالص دل سے ہونا چاہیے اور اس کو خدا کی ممنوعات سی بیحد ڈرنا اور دور رہنا ضروری ہی ع نزدیکاں را بیش بود حیرانی۔۔

صوفیاے کرام کا اجماعی عقیدہ ہی کہ بندوں کے افعال اُن کی سعادت اور شقاوت کی سبب نہیں ہوا کرتے بلکہ انکی سعادت وشقاوت پہلے ہی سے بمشیت ازدی طے ہو گئی ہی اور انکی سرنوشت میں لکھی جاچکی ہی۔

وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ بندوں کے اعمال مستحق ہونے کی حیثیت سے موجب ثواب یا عذاب نہیں ہوتے بلکہ عدل اور فضل کے لحاظ سے اور اس وجہ سے کہ خدا نے ان افعال کو واجب بنایا ہی۔

ان کا اجماعی عقیدہ ہی کہ جنت کا عیش و آرام اُس شخص کے لیے ہی جسے منجانب اللہ بغیر کسی علت کے سعادت عطا ہوئی اور عذاب دوزخ کا مستحق وہ شخص ہی جو بغیر کسی سبب کے خدا ہی کی طرف سے بدبخت اور شقی ہو چکا ہی۔

صوفیہ کا قول ہی کہ بندوں کے افعال اُس سرنوشت کی علامتیں اور نشانیاں ہیں جو منجانب اللہ اُن کے حق میں پہلے ہی سے مقرر ہو چکی ہی۔

ان کا اجماعی عقیدہ ہے کہ خداے پاک و بزرگ خود ہی اپنے وجود یکتا کی دلیل ہی اور ان کے نزدیک عقل بھی دلیل کی اتنی ہی محتاج ہی جسقدر کہ عاقل دلیل کا محتاج ہوتا ہے۔ اسلیے کہ عقل محدث ہی اور محدث کی دلالت اگر ہو سکتی ہی تو صرف اپنے ہی ایسے محدث پر۔

صوفیہ کا اجماعی عقیدہ ہی کہ کوئی بھی خدا کو عقل کے سوا کسی اور ذریعہ سے نہیں پہچان سکتا اس لیے کہ عقل ہی عبودیت کا آلہ ہی اور عقل بذات خود خدا کو نہیں شناخت کر سکتی وہ تو خدا ہی کی رہنمائی اور وسیلہ سے خدا کو پہچانتی ہی۔

وہ کہتے ہیں کہ روح ایسی شئے ہی جسکا علم خداے پاک نے خاص اپنے ہی پاس رکھا ہی اور اپنی مخلوق میں سے کسی کو اُسپر مطلع نہیں کیا ہی۔ روح کو اسکے سوا اور کسی طریقے سے بیان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ موجود ہی اور اللہ نے روحوں کو جسموں

سے پہلے پیدا فرمایا ہے۔

اُنکا اجماعی قول ہے کہ روح ایک معنی ہے جسکے ساتھ جسد کو حیات ملتی ہے۔

فرشتوں کو رسولوں پر اور رسولوں کو فرشتوں پر تفضیل دینے کے بارہ میں صوفیہ کی ایک جماعت نے سکوت اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ جسکو خدا نے بزرگی دی وہی بزرگ ہے۔ یہ بزرگی کچھ عمل پر موقوف نہیں بلکہ خدا کی دین ہے۔ اس جماعت کے نزدیک ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جسکو کسی خبر یا عقل کے ذریعے سے دوسری بات سے زیادہ واجب التسلیم کہا جا سکے۔

اور بعض صوفیہ نے فرشتوں کو رسولوں پر فضیلت دی ہے۔ لیکن جمہور صوفیہ رسول کی تفضیل کے قائل ہیں۔

صوفیہ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ رسولوں کے مابین درجہ کی بزرگی میں باہم کچھ نہ کچھ تفاوت ہے اور یہ کہ ان سب رسولوں میں مطلق طور پر سب سے افضل ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور اس عقیدہ کی شہادت میں خدائے پاک کا یہ قول پیش کرتے ہیں۔ قال تعالیٰ

"تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ الآیۃ"

ان کا اس بات پر اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام آدمیوں سے افضل ہیں اور بنی نوع بشر میں ان کا کوئی ہمسر نہیں چاہے وہ صدیق ہو یا ولی یا اور کوئی شخص اور اسکا رتبہ و اعزاز خدا کی درگاہ میں کیسا ہی بلند و برتر ہو مگر وہ نبی کی برابری ہرگز نہیں کر سکتا

بڑے بڑے مشایخ جنید اور نوری وغیرہ کا قول ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر جو کچھ گرفت ہوئی ہے وہ صرف اُنکے خیالات اور دلی خدشات پر ہوئی ہے ورنہ ان کے باطنی جذبات اور اعضا تو بالکل حق تعالیٰ کے مشاہدہ میں غرق رہتے تھے۔

ان بزرگوں کا قول ہے کہ خدائے پاک نے انبیاء علیہم السلام سے اُنکے خطرات پر جو کچھ عتاب فرمایا ہے وہ صرف اسلیے کہ اغیار کو اُس سے اپنے مرتکب گناہ ہونے کے وقت

استغفار کے مواضع کا علم ہو جائے اور وہ معلوم کرلیں کہ کن امور سے استغفار لازم ہے۔
ایک قول یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی وہ لغزشیں تاویل کی غلطیاں اور اجتہادی خطائیں تھیں۔ اور ایک دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے بھول چوک ہوئی اسلیے انکے مرتبوں کی بلندی کی وجہ سے انہیں ذراسی غلطی پر بھی سرزنش کی گئی تاکہ دوسروں کے لیے تنبیہ ہو اور انکے مواضع فضل کی حفاظت ہو جائے اور ساتھ ہی ان کو تادیب بھی ہو جائے
مگر جن مشائخ کرام نے انبیاء علیہم السلام کی لغزشوں کو لغزشیں اور غلطیاں ثابت کیا ہے انہوں نے یہی یہی کہا ہے کہ وہ صغیرہ گناہ تھے جن کے ارتکاب کے ساتھ ہی توبہ بھی کرلی گئی
وراق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں :۔ نبی معجزہ سے نبی نہیں ہوتا بلکہ وہ خدا کا فرستادہ ہونے کی وجہ سے اور اس اعتبار سے نبی ہوتا ہے کہ خدا اُسپر وحی نازل فرماتا ہے اسلیے جس بندہ کو خدا نے ہدایت خلق کے لیے بھیجا اور اُسپر وحی نازل فرمائی وہ بہرحال نبی ہے۔ چاہے اسنے معجزہ پایا یا نہ پایا اور نبی جس شخص کو خدا کی طرف بلائے اُن کو اُس کی بات ماننا واجب ہے اگرچہ وہ کوئی معجزہ نہ دیکھیں۔ معجزے تو صرف منکروں پر اتمام حجت کے لیے ظاہر کیے جاتے ہیں اور انکار کرنے والوں پر عذاب کو واجب بنانے کے لیے ظہور میں آتے ہیں۔ نبی کی بات اُسی وقت ماننا لازم ہے جبکہ وہ احکام الٰہی سنا کر انکی بجا آوری کو کہے کیونکہ وہ اُنہیں باتوں کو کہتا ہے جو خدا نے اُسپر واجب کی ہیں۔ مثلاً توحید ایزدی۔ شرکیوں کا انکار اور ان کاموں کا کرنا جن کو عقل محال نہ بتاتی ہو بلکہ واجب یا جائز قرار دیتی ہو۔ اور ولی ہرگز نبی نہیں ہوتا نہ وہ نبوت کا دعوی کرتا ہے۔ ولی کذب اور باطل کی طرف دعوت نہیں دیتا۔ وہ صرف حق اور صدق کی جانب لوگوں کو بلاتا ہے۔
صوفیاء کرام کا اسپر اجماع ہے کہ اولیاء کی کرامتیں درست ہیں اور اولیاء اللہ کی کرامتیں انبیاء علیہم السلام کی نبوت میں کوئی خرابی نہیں ڈالتیں۔ اولیاء اللہ سے منجانب اللہ

کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں ان کو بالکل خبر بھی نہیں ہوتی کہ کیا ہوا۔ اور جب خدا کی کرامتوں میں سے کوئی کرامت اُن پر ظاہر ہوتی ہے تو وہ خدا کی عظمت اور بندہ نوازی کے اور زیادہ مُقر ہو جاتے ہیں۔ عجز خوفِ خدا اور فروتنی میں ترقی کرتے ہیں اپنے تئیں اور حقیر و ناچیز بندہ سمجھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے فرائض کو اور سرگرمی سے ادا کرتے ہیں۔ یعنی اسکی عبادت میں سرگرم ہو جاتے ہیں جس سے انکے مرتبہ میں ترقی ہوتی ہے۔ انکے مجاہدوں میں قوت آجاتی ہے اور عطیات الٰہی کے شکرگذار ہوتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ ولی کی کرامت یہ ہے کہ اُسکی دعا مقبول ہو اُسکا حال پورا ہو اس کو فعل پر قوت حاصل ہو اور اُسکی بسر اوقات کا حق تعالیٰ خود کفیل ہو اور یہ بات خارق عادت امور میں سے ہے۔

اس بارہ میں صوفیہ کا اختلاف ہے کہ ولی کو خود اپنے ولی ہونے کی شناخت ہوتی ہے یا نہیں بعض کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو سکتا ہے مگر بڑے بڑے اور عالی مرتبہ مشایخ کا قول ہے کہ یہ امر جائز ہے۔ کیونکہ مقام ولایت ایک خدا کی عطا کردہ بزرگی ہے اور اُسکو غیر معلوم نہ ہونا چاہیے۔

ولایت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عام۔ دوسری خاص۔ عام ولایت ایمان کی ولایت ہے اور وہ تمام مومنین کے لیے عموماً ثابت ہے اس لحاظ سے ہر مومن کو ولی کہا جا سکتا ہے اور خاص ولایت یہ ہے کہ اللہ پاک اپنے بندہ سے محبت کرے اور اُسے اپنے ذکر کے لیے چُن لے اور اُس سے دوستی کر لے اس طرح کہ کسی حال میں بھی اس بندہ کو اُسکے نفس کے حوالہ نہ کرے یعنی اُس کا نفس کوئی حرکت نہ کر سکے اور یہ ولایت اُس بندہ کے لیے ثابت ہوتی ہے جس کی نسبت ثبوت ملجائے کہ وہ مطلق اپنے نفس کی طرف نظر بھی نہیں کرتا اور نفس کے اثر میں آنے سے بالکل محفوظ ہے۔ اُسکو ذرا بھی خودی نہیں آتی اور دشمن (یعنی نفس امارہ) اُسے بہکانے اور گمراہ کرنے کا کوئی رستہ نہیں پاتا

ایسا ولی خلق سے بالکل بے پروا کر لیا جاتا ہے یعنی وہ خلق کی طرف نگاہ تک نہیں ڈالتا اور نہ ان کے جال میں پھنستا ہے اور اگرچہ وہ انسان ہوتا ہے اور طبیعت بشریہ اس میں موجود ہوتی ہے پر بھی انسانی کمزوریوں اور بشری آفتوں سے بالکل محفوظ رہتا ہے لیکن اس بات کے ساتھ ہی وہ صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے معصوم بھی نہیں ہوتا۔ ہاں یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ اگر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو ساتھ ہی اس سے خالص توبہ بھی کر لیتا ہے اور نبی معصوم ہوتا ہے گناہ کبیرہ تو اس سے بالاجماع ہو ہی نہیں سکتا۔ رہا گناہ صغیرہ اسکے بارہ میں بعض صوفیہ کا خیال ہے کہ نبی سے ہو سکتا ہے اور بعض اس کو بھی نبی کی عصمت کے منافی قرار دیتے ہیں۔

صوفیہ کے عقیدہ میں کسی بندے سے خوف عاقبت کا بالکل دور ہو جانا کوئی غیر ممکن امر نہیں بلکہ ایسا ہو جانا جائز ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کو جنت کی بشارت دی گئی انہیں یہ مژدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہنے سے معلوم ہوتا ہے اور اولیاء اللہ اس بات کو یوں جان لیتے ہیں کہ خدائے پاک اُنہیں کچھ خاص لطائف بخشتا ہے اور وہ لطیفے انکے اندر پیدا کر دیتا ہے اور اُن احوال کے ذریعے سے ہی اولیاء اللہ کو عاقبت سے بے خطر ہونیکا علم ہو جاتا ہے جو انکے دلوں پر وارد ہوتے رہتے ہیں اور وہی حالات درحقیقت انکی ولایت کی نشانیاں ہیں اور وہ وہم کے ہرگز نہیں ہیں۔

اور جمہور صوفیہ کے نزدیک ایمان نام ہے قول اور عمل اور نیّت کے مجموعہ کا۔ نیت کے معنی تصدیق کی ہیں اور صوفیہ نے کہا ہے کہ ایمان کی جڑ یہ ہے کہ زبان سے اقرار کیا جائے اور ساتھ ہی دل سے اُس کو سچا مانے اور فرائض خداوندی پر عمل کرنا ایمان کی شاخ ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ایمان ظاہر اور باطن میں ایک ہی چیز ہے۔ ان کا اس بات پر اجماع ہے کہ جسطرح ایمان ظاہر میں واجب ہوتا ہے اسی طرح وہ باطن میں بھی واجب ہے۔

صوفیہ اس بات کے قائل ہیں کہ ایمان بڑھتا اور گھٹتا ہے اور متقدمین کا قول ہے کہ

تصدیق بڑھتی تو ہی مگر گھٹتی نہیں اور زبانی اقرار نہ بڑھتا ہی اور نہ گھٹتا ہی اور ارکان پر عمل کرنا کم اور زیادہ ہو سکتا ہی۔

جنیدؒ فرماتے ہیں کہ:۔ ایمان باطنوں کا نور ہی جس کے ساتھ دلوں کی صفائی اور چشم باطن کی قوت بھی شریک ہوتی ہی۔ اور ایمان کی اصل دنیا کے تعلقات کو قطع کرنا اور حقیقتوں کا سچا ہونا۔ اور بندہ کا پروردگار خلائق کی یاد میں غرق ہو جانا ہی۔

فصل دوم
اعمال کے بیان میں

صوفیوں نے اس بات پر اجماع کر لیا ہی کہ وہ ہمیشہ ایسے ہی اعمال کو اختیار کرینگے جو اُنکے نزدیک کامل احتیاط کے ساتھ مستند اور قابل عمل ہوں وہ اسبابت کو کبھی نہیں دیکھتے کہ فقہاء نے ان اعمال کے بارہ میں باہم اختلاف رائے کیا ہی یا متفق اور متحد الخیال ہیں۔ صوفیہ کے نزدیک فقہا کا اختلاف رائے راستی پر مبنی ہی وہ کسی فقیہ پر ہرگز اعتراض نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک ہر مجتہد راستی پر ہی بلکہ ان کا خیال ہی کہ جو شخص بھی شرع شریف کے بارہ میں کسی مذہب کا معتقد ہوا اور وہ مذہب اُسکے نزدیک ایسا ہی صحیح ثابت ہو جیسے کہ وہ امر ثابت ہوتا ہی جسپر قرآن وحدیث دلالت کرتے ہوں اور ایسا شخص ان لوگوں میں سے ہو جنکو کتاب اور سنت سے احکام و مسائل کا استنباط کرنا آتا ہو اور بجا طور سے آتا ہو تو اس قسم کا آدمی اپنے اعتقاد میں ضرور راستی پر ہوگا۔ اور جو آدمی خود اجتہاد کرنے والوں میں سے نہیں ہی اُسے یہ چاہیے کہ جن فقہا سے وہ فتوی چاہتا ہی ان میں سے جس فقیہ کی نسبت سب سے پہلے اسکے دل میں یہ بات جم جائے کہ دیگر فقہائے کے مقابلہ میں وہ فقیہ زیادہ عالم اور باخبر ہی بس اُسی کے قول کو

اختیار کرے وہی قول اسکے لیے حجت ہو جائیگا۔

صوفیہ کا اس بات پر اجماع ہی کہ نمازوں کے ادا کرنے میں جلدی لازم ہی۔ وہ اس بات کو بہتر مانتے ہیں مگر اسی کے ساتھ وقت آجانیکا یقین کامل ہونا بھی ضروری قرار دیتے ہیں بلکہ ان کا تو یہ عقیدہ ہی کہ خدا کے تمام فرضوں کو واجب ہوتے ہی فوراً ادا کرلینا چاہیئے اگر ان میں کوئی کمی دیر یا فروگذاشت ہو تو عذر کی وجہ سے ہو۔

صوفیہ اس بات کو مانتے ہیں کہ سفر میں نماز قصر ادا کرنی چاہیئے لیکن ان میں سے جو شخص ہمیشہ سفر ہی میں رہتا ہو اور کہیں ایک جگہ اس کو قرار نہو اُسے پوری نماز پڑھنا ضروری ہی۔

صوفیہ کا اعتقاد ہی کہ سفر میں روزہ افطار کردینا جائز ہی۔ مگر سفر میں بھی روزہ رکھنا افضل ہی اور انکے نزدیک حج کی استطاعت کسی نہ کسی طرح کا امکان ہوتے ہی ثابت ہو جاتی ہی وہ ان شرطوں کو بالکل نہیں مانتے کہ زاد راہ ہو تب ہی حج فرض ہی ورنہ نہیں

صوفیہ کا اس بات پر اجماع ہی کہ پیشوں اور تجارت کے ذریعے سے کسب معاش کرنا اور کاشتکاری کرنا یا ایسے ہی دیگر ذرائع حصول معاش کے جو شرع نے مباح کیے ہیں صوفیوں کے لیے بھی مباح ہیں مگر ان میں بڑی ہوشیاری ثابت قدمی اور شبہات سے بچ کر مشغول ہونا ضروری ہی اور یہ کہ صوفی کو پیشہ اور کسب معاش کے وسائل اختیار کرنے میں یہ خیال رکھنا لازم ہی کہ وہ ان کاموں کو محض امداد باہمی اور لالچ اور ہوس کو توڑنے کے لیے کرتا ہی اور اس لیے کہ جو کچھہ کمائے اس سے اوروں کو فائدہ پہنچائیگا اور ہمسایوں سے سلوک کرسکیگا۔ لیکن جو شخص کہ اپنے ذمہ کچھہ لوگوں کا بار رکھتا ہی یعنی عیال دار ہی یا والدین ہیں جن کی خدمت اسپر واجب ہی اُسپر کسب معاش کرنا صوفیہ کے نزدیک بھی واجب ہی۔

جنیدؒ کے نزدیک مذکورہ بالا شرائط کے ساتھہ کسب معاش کرنیکا وہی درجہ ہی جو قرب

خدا حاصل کرنے کے اعمال کا مرتبہ ہے۔ بندہ کو کسب معاش کے کام بھی اسی طرح کرنے چاہئیں جیسے وہ نفل عبادتیں ادا کرتا ہے ہاں اس طرح کسب معاش کے درپے نہو کہ صرف روٹی حاصل کرنے اور فائدہ اٹھانے کا گرویدہ رہے۔ اور جنید کے سوا دیگر صوفیہ کے نزدیک تنہا شخص کے لیے کسب معاش کرنا مباح ہے واجب نہیں اور نہ اس سے اسکے توکل میں کوئی نقص لگتا ہے اور نہ اسکے دین میں کوئی خلل آسکتا ہے۔ ہاں جب سچا توکل اور خدا پر کامل بھروسہ کر بیٹھے تو اسوقت کسب معاش سے آزاد رہنا بہتر ہے اور محض حق تعالیٰ کی خدمتوں ہی میں مشغول رہنا اولیٰ اور افضل ہے۔

سہیل فرماتے ہیں "توکل کرنے والوں کے لیے کسب معاش درست نہیں مگر سردی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طور پر کچھ کرنا چاہیے اور غیر متوکل اشخاص کو بھی کسب معاش کرنا جب ہی درست ہے کہ وہ امداد باہمی کے لیے ایسا کریں۔

وصل سوم

اصطلاحات صوفیہ

صوفیائے کرام نے اپنے راز کو غیروں سے پوشیدہ رکھنے کے لیے کچھ الفاظ بطور خاص اصطلاح کے مقرر کر رکھے ہیں اور یہ بہت سے الفاظ ہیں۔ مثلاً

وقت :۔ اس سے وہ حالت مراد ہے جو انسان پر غالب ہو۔ چنانچہ جو آدمی دنیا میں مبتلا ہے اسکا وقت دنیا ہے اور جس کو عقبیٰ کی فکر گھیرے ہے اسکا وقت عقبیٰ ہے جس کو سرور کا عالم ہے اسکا وقت سرور ہے اور جو رنج والم میں غرق ہے اسکا وقت حزن ہے اور گاہے وقت سے یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ حال کے زمانہ کو اس کام سے معمور رکھے جو خدا اپنے بندہ سے اس حال میں لینا چاہتا ہے۔

صوفی ابن الوقت کہا جاتا ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ جو بات فی الحال اسکے لیے بہتر ہے وہ اُسی میں مشغول رہتا ہے اور ہر وقت اُسی کام میں لگا رہتا ہے جس کا اس وقت اور ساعت میں اُس سے لیا جانا مطلوب ہے۔

اور کبھی صوفی کے ابن الوقت ہونے سے یہ مراد ہوتی ہے کہ وہ کسی وقت خاص میں اپنے ارادے سے کوئی کام نہیں کر سکتا بلکہ ہر آن اور حال میں مقدرات ایزدی کے ماتحت رہتا ہے۔ خدا نے جن کاموں میں اُسکے لیے مصروف ہونا مقرر فرما دیا ہے بس انہیں میں لگا رہتا ہے۔ چنانچہ جب کہا جاتا ہے کہ "فلاں شخص وقت کا تابع ہے" تو اس سے یہ مدعا ہوا کرتا ہے کہ وہ بے اختیار فاعل مختار کے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور جو باتیں غیب سے اُس کے لیے عیاں ہوتی ہیں اُنکو کرتا رہتا ہے لیکن جس چیز میں کوئی امر ہو یا کسی شرعی حق کا اقتضا ہو یا جس کو اس کام کا امر کیا گیا ہے وہ کام اُسنے تباہی میں ڈالنے والا ہو۔ تو ایسی حالت میں بھی اُس عمل کو تقدیر کے حوالہ کرنا اور بندہ کی تقصیر نہ سمجھنا بے دینی ہے پس دانا اور سمجھدار شخص وہی ہے جو اپنے وقت کا تابع رہے۔

مَقَام :- یہ بھی صوفیہ کا اصطلاحی لفظ ہے۔ اس سے اُن صفتوں کی منزلیں اور درجے مقصود ہیں جو بندہ کو ریاضت اور عبادت و طاعت میں محنت کرنے سے حاصل ہوتی ہیں ۔ مثلاً توبہ کا مقام وَرَع کا مقام اور زُہد کا مقام۔ اور اس بات کی شرط یہ ہے کہ صوفی جس مقام میں ہو پہلے اس مقام کے احکام کو پورے طور پر ادا کر لے۔ بعد ازاں دوسرے مقام میں ترقی کرے ۔ اگر ایک مقام کے احکام کو پورے طور پر ادا نہ کریگا تو آگے کے مرتبہ پر اُسکا ترقی پانا صحیح نہو گا چنانچہ جس کو قناعت کا مرتبہ حاصل نہیں اُسکا توکّل ٹھیک نہو گا اور جسکو وَرَع کا درجہ نہ ملا ہوا سے زہد کا مرتبہ کیونکر حاصل ہو سکیگا اور جب توبہ کا مقام نصیب نہو تو انابت کا درجہ اُس کے لیے کب میسر آسکیگا۔

اور کسی صوفی کا ان مقامات میں سے کسی مقام پر پہنچنا اس وقت تک ٹھیک نہیں مانا جا سکتا جب تک کہ یہ بات عیاں اور واضح نہ ہو جائے کہ ہاں خدائے پاک نے اُسے اس مقام و مرتبہ میں قائم کیا ہے۔

حال:- اس سے وہ اندرونی کیفیت مراد ہے جو بغیر کسی ذاتی ارادہ، سعی، حصول اور اکتساب کے قلب پر وارد ہو وہ کیفیت طرب کی ہو یا حزن کی۔ بسط کی ہو یا قبض کی۔ شوق کی ہو یا قلق کی، ہیبت کی ہو یا احتیاج کی۔

احوال کی کیفیت بجلی کی سی رفتار رکھتی ہے۔ جیسے کہ وہ قلب میں یکایک پیدا ہوتی ہے ویسے ہی فوراً زائل ہو جاتی ہے۔ اب اگر کچھ اثر اُسکا بعد میں باقی رہ جائے تو وہ حدیث نفس ہے۔

صوفیہ کا ایک گروہ حال کے متعلق یہ کہتا ہے کہ اگر احوال کو دوام نہ ہو اور وہ پے در پے قلب پر نہ آتے رہیں بلکہ سریع الزوال ہوں اور دیر و بر سے آئیں تو ان کا نام احوال نہیں بلکہ وہ لوائح اور بوادہ کہلاتے ہیں۔ ہاں اگر یہ صفت دیر تک قائم رہتی ہو تو اسکا نام حال ہو گا اور یہ قول ہی درست ہے۔ اسلیے کہ کبھی یہ اندرونی کیفیت کسی کے لیے بطور چاشنی کے ہوتی ہے جیسے مربے کے شیرینی کو جذب اور ماہیت کو خارج کرنے کے واسطے پہلے پیاؤ میں ڈالا جاتا ہے اور اس میں مربّیٰ ہوتا ہے ویسے ہی صاحب حال شخص حال کے اصلی درجہ پر پہنچنے کے قبل اس شرب (پیاؤ) میں پڑتا ہے اور بتدریج اندرونی کیفیت کے معاملہ میں ترقی کرتا جاتا ہے۔

لیکن جو شخص اس شرب کے حال میں ہو اُس کے بھی بہت سے احوال ہوتے ہیں۔ ان احوال کو طوارق کہتے ہیں جو دیر تک یا ہمیشہ نہیں رہتے۔ مگر ان احوال سے بالاتر ہیں جو صاحب حال کے لیے شرب کے طور پر آغاز ہونے لگتے۔ اب اگر ان طوارق کو دوام حاصل ہو جائے اور صاحب حال شخص ان میں بہ دیر تک عرق

سے ہے تو پھر اُس کو موجودہ احوال سے بلندتر اور لطیف ترین احوال حاصل ہونے لگتے ہیں اور وہ ہمیشہ بتدریج احوال کے مرتبہ میں ترقی کرتا جاتا ہی اسلیے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کا حق ہی "عزّ" اور اس حق تک تحقیق کیساتھ پہنچنا محال ہی تو اب بندہ جیسے جیسے کسی ایک حال کی کیفیت تک پہنچیگا ویسے ہی اُسکو اپنی حاصل شدہ کیفیت اور حالت سے الطاف باری تعالیٰ کی ایک بالاتر کیفیت ملیگی اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ الطاف کی کوئی حد نہیں ہی اسلیے کیفیت حال کی بھی کوئی حد نہیں ہوسکتی - غرض یہ ہی کہ احوال خدا کے عطیات ہیں اور مقامات بندہ کے مکاسب یعنی اُس کی محنت اور طاعت کے نتائج -

قبض اور بسط :- یہ دو حالتیں ہیں - یہ بندے کو اس وقت حاصل ہوتی ہیں جبکہ وہ خوف ورجاء (بیم وامید) کی دو حالتوں سے آگے ترقی کرتا ہی - اگر بندہ کو پہلے سے کسی ضرر کا خوف ہو اور وہ ڈرتا ہو کہ آگے چلکر اُسے یہ نقصان پہنچیگا - پھر وہ ضرر اسپر آ ہی پڑے - تو اسوقت وہ شخص ضرور دل گرفتہ اور منقبض ہو جائیگا -

ایسے ہی اگر کسی بندہ کو پہلے سے کوئی امید یا توقع ہو کہ آگے چلکر اُسے کوئی پسندیدہ چیز مل سکے گی اور پھر وہ محبوب سے ملجائے تو خوش اور منبسط ہو جائیگا یعنی اُسکے دل کا کنول کھل جاتا ہی -

اس سے یہ بات نکلی کہ خوف اور رجاء کا نتیجہ ایک ایسا معاملہ ہی جو آیندہ چلکر حاصل ہوتا ہی اور قبض اور بسط کا اثر فوراً حاصل ہوسکتا ہی -

قبض کے سبب تین ہیں (۱) یہ کہ بندہ کوئی گناہ کرے ایسا ہوا ہو تو فوراً توبہ کرے اور اس گناہ سے باز آجائے (۲) یہ کہ دنیا جاتی رہی یا اُسکی کمی واقع ہو - ایسے وقت میں انسان کو تسلیم و رضا سے کام لینا چاہیے اور اس بارہ میں اپنے نفس کا احتساب کرنا لازم ہی - نظر خدا رکھے اور صبر کے اجر کا منتظر رہی اور (۳) یہ کہ کوئی ظالم

اُسے ستاتا ہوگا اور اُس کی ایذا جان پر ہوگی یا عزت و آبرو پر۔ یا مال و دولت پر یا بے دینی سے منسوب کرنے پر۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایسی حالتوں میں انسان کو پہلے صبر سے کام لینا لازم ہی اور اس کے بعد ظالم و موذی کی شرارت کو معاف کرنے اور اس سے درگذر کرنے کو ضروری سمجھے اور اس کے لیئے نیک دعا کرے۔ خبردار اپنی بابت کی جنبہ داری ہرگز نہ کرے ورنہ دو ظلم اُسپر لوٹ پڑینگے۔ ایک تو اُسپر غیر کا ظلم تھا ہی اور دوسرا ظلم وہ خود اپنے اوپر یہ کریگا کہ نفسانیت کو دخل دیگا۔

اور بسط کے بھی تین ہی سبب ہیں (۱) یہ کہ خدائے برتر کی طرف سے بندہ کو طاعت کی زیادتی کی توفیق یا کوئی اور نعمت عطا ہو گی شلاً علم اور معرفت۔ اگر مزید طاعت گذاری کی توفیق ملی ہی تو شان بندگی یہ ہی کہ خدا کا شکر ادا کرے اور سچے دل سے یقین کرلے کہ یہ کرم و فضل ایزدی ہی جو اُس نے بندہ ناچیز کو اپنی طاعت کی توفیق مرحمت کی۔

شکر خدای کن کہ موفق شدی بخیر
زانعام و فضل او نہ معطل گذاشتت
منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

اور خدا کا شکر و سپاس بجالائے کہ اُس نے بندہ نوازی کی راہ سے اُسکے لیے اسباب طاعت میسر و آسان فرمائے۔ خبردار یہ ہرگز گمان تک نہ کرے کہ وہ خدا کی کچھ بندگی کرتا ہی۔ یا کرسکتا ہی اور اس بات سے ڈرتا رہے کہ مبادا خدا اس سے اپنی دی ہوئی نعمت سلب کرلے اور اُس کو راندہ درگاہ بنادے۔

(۲) بسط کا ایک سبب یہ ہوسکتا ہی کہ دنیا کی دولت و حشمت، جاہ و ثروت، اور مال و منال زیادہ حاصل ہو۔ خواہ یہ دنیا کی افزائش خواہ آدمی کے کسب کے ذریعہ

نا ہوئی ہو یا کہیں سے انعام و اکرام پایا ہو۔ یا ہبہ یا بخشش وغیرہ کے وسیلہ سے مالدار ہوا ہو۔ یہ سب باتیں توفیق طاعت ہی کی طرح خدا داد نعمتیں ہیں اور ایسی حالت میں انسان کو دنیا کی افزایش کے آفات اور بُرے نتائج سے، اور اُس کی مصیبتوں اور فکروں سے حذر کرنا لازم ہے اور یہ خیال کرنا چاہیئے کہ اُسے کس طور پر صرف کرے یا کس صورت سے حاصل کرے تاکہ واجبات اور اچھے ذریعوں سے دنیا کمائے اور مکروہ یا حرام پیشوں اور وسائل کسب سے بچا رہے۔

اور (۳) وجہ بسط یہ ہو سکتی ہے کہ لوگ کسی کو اچھا کہیں اور اُسکی طرف رجوع لاکر اُس سے دعا کے طالب ہوں۔ ہاتھ پاؤں چومیں اور عزت و تکریم کریں۔ ایسی حالت میں آدمی کو یہ چاہیے کہ نعمت الٰہی کا شکر گذار ہو اور سمجھے کہ ستار عیوب خدا نے اُس کے عیبوں اور کمزوریوں کی پردہ پوشی فرمائی ہے ورنہ اگر اُس کی اندرونی کمزوریوں کا ایک ذرہ بھی کھول دیا جاتا تو نزدیک ترین آدمی بھی اُس سے نفرت کرتے اور اُس کے پاس آنے کے بھی روادار نہ ہوتے۔

صوفیہ فرماتے ہیں کہ:- کہ مرد عارف باللہ اور خدا شناس حق آگاہ کے قبض کا کمترین سبب یہ ہوتا ہے کہ اُس کے قلب پر کوئی کیفیت وارد ہو جو کسی عتاب کا اشارہ ہو یا اُسکے مستحق تادیب ہونے کا رمز ہو پس اسوقت ضرور ہے کہ وہ دل گرفتہ اور منقبض ہو جاتا ہے اور اسی طرح بسط کا سبب کبھی حضوری اور مقرب بنانے کی طرف اشارہ ہوا کرتا ہے اور گاہے لطف و تپاک کی قسم کی توجہ کا کرشمہ اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں لامحالہ قلب کو انبساط حاصل ہوتا ہے۔

غرض مختصر یہ ہے کہ ہر شخص کا قبض اُس کے بسط کے موافق ہوتا ہے اور اُس کا بسط بھی اُسی کے قبض کے حسب حال ہوا کرتا ہے۔

اور کبھی قبض یا بسط کی حالت اچانک طاری ہو جاتی ہے جس کا کوئی سبب بھی

معلوم نہیں ہوتا - ایسی صورت میں آدمی کو یہ لازم ہے کہ وہ بالکل چپ اور ساکن رہے - کوئی حرکت نہ کرے نہ زبان کھولے ، ارادوں کو چھوڑ دے اور تسلیم سے بھی بے تعلق رہے - یہانتک کہ وہ وقت گذر جائے اور اسکا انقباض جاتا رہے ورنہ اگر اُس حالت قبض کو دور کرنے کی خود کوئی کوشش کریگا تو وہ قبض کم نہوگا بلکہ اور بڑھتا ہی چلا جائیگا -

اور بسط کی حالت میں ثابت قدم رہنے کی بڑی ضرورت ہے ، ادب کو ملحوظ رکھے اور کسی زن و مرد سے کوئی سوال یا کج ادائی اور درشتی نہ کرے - کیونکہ خدا رسیدہ شخص پر یہ وقت نہایت کٹھن اور خطرناک ہوا کرتا ہے ممکن ہے کہ اس میں کوئی پوشیدہ آزمایش ہو -

محقق صوفیوں نے قبض و بسط کی دونوں حالتوں سے خدا کی پناہ مانگی ہے اسلئے کہ یہ دونوں حالتیں بندہ کی اپنے آپ کو فنا کرکے حقیقت ایزدی میں داخل ہونے کے بارہ میں ان سے بالاتر حالتوں کی بہ نسبت فقر اور مصیبت و پریشانی کی حالتیں ہیں -

ہَیبَۃ اور اُنسْ :- یہ دونوں حالتیں قبض اور بسط کی حالتوں سے پیدا ہوا کرتی ہیں ہیبت کی حالت قبض سے پیدا ہوتی ہے جیسے کہ خود قبض خوف کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے - اور اُنس کی حالت بسط سے پیدا ہوتی ہے جیسے کہ خود بسط رجا کی حالت سے پیدا ہوتا ہے - کیونکہ جو آدمی اپنی تقصیر پر نظر کرکے خدا سے خوف کریگا وہ منقبض ہوجائیگا - یعنی اُسکا دل گرفتہ ہوجائیگا اور وہ ہیبت الٰہی کے اثر سے برابر یاد الٰہی اور طاعت ایزدی میں مشغول رہیگا -

اور جس آدمی کو خدا سے اپنی بہتری کی امید ہوئی اُسکا دل شگفتہ ہوگا اور وہ بھی خدا کی یاد میں مشغول اور اُس سے مانوس ہوجائیگا -

اسی لیے ہیبت اور اُنس کی حالتیں قبض اور بسط کی حالتوں سے کامل تر کیفیتیں ہیں اور ہیبت کا حق بیہوشی ہے تو اُنس کا حق ہے ہوشیاری - اور یہ دونوں حالتیں اُسی وقت

حاصل ہوتی ہیں جبکہ انسان پر حقیقت کا ظہور ہونے لگے۔
صوفیہ کہتے ہیں:- اُنس کا کم سے کم مقام یہ ہے کہ اگر اس حالت والے کو جلتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے تب بھی اُس کے اُنس میں کوئی خرابی نہ آئے اور وہ یادِ الٰہی میں مشغول و مصروف رہے۔ مگر اہلِ حقیقت ان دونوں حالتوں یعنی ہیبت اور اُنس کو ایک قسم کا نقص شمار کرتے ہیں کیونکہ ان سے بندہ کی حالت متغیر ہو جاتی ہے اور اہلِ تمکین کے احوال تغیر سے بالاتر ہیں۔ وہ کبھی نہیں بدلتے بلکہ وہ تو عین وجود میں محو ہوتے ہیں ان کے لئے نہ ہیبت ہے اور نہ اُنس - اور نہ علم ہے اور نہ حس - کچھ بھی نہیں اور بندہ اس حالت سے ترقی کرتا ہے تو وجود ہی کے ذریعے سے کرتا ہے۔
تَواجُد، وَجد اور وجود:. تواجد یہ ہے کہ ایک قسم کے اختیار سے وجد کی طلب کیجائے اور چونکہ اس میں ایک قسم کا تکلف ہے اسلیے بعض صوفیہ اس حالت کو حالت نہیں تسلیم کرتے مگر دوسرے مشائخ اس کو بھی قلبی کیفیتوں میں شمار کرتے ہیں اور ان فقرا کے لیے ملتے ہیں جو مجرد ہوں اور ان معانی کے وجدان کے درپے رہیں۔ اس گروہ نے اپنی رائے کی دلیل میں یہ حدیث پیش کی ہے کہ:- اَبکُوا فَاِن لَم تَبکُوا فَتَبَاکُوا یعنی روو اور اگر رو نہ سکو تو رونی صورت بناؤ۔ اسلیے اگر وجد کے معنی نہ پا سکو تو وجد کی سی صورت ہی بنا لو اور اسی طرح اپنے تئیں حصولِ وجد کا طالب گردانو۔
اور وجد وہ حالت ہے جو بغیر کسی ارادہ اور آورد کے قلب پر وارد ہوتی ہے۔ وجد اس بات کا نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے باطنی احکام یعنی ہوائے نفس کی پیروی سے گریز کرے جس طرح کہ عبادت الٰہی میں لطف اٹھانا۔ دنیا کے ظاہری معاملات میں نفس کی خواہش کے خلاف کرنے کا ثمرہ ہوتا ہے۔ تواجد اور وجد یہ دونوں حالتیں سماع میں ہوا کرتی ہیں۔
اور وجود یہ ہے کہ سلطانِ حقیقت کے ظہور سے بندہ بالکل اُس میں فنا ہو جائے،

جیسا کہ وجد حقیقتیں استغراق ہی - اور تواجد حقیقۃ کا استیعاب -
صاحب تواجد اس شخص کے مشابہ ہی جس نے دریا کو دیکھا اور اُس کے سامنے پہنچگیا -
اور صاحب وجد اُس شخص کی مانند ہی جو دریا پر سوار ہوا اور صاحب وجود کی یہ مثال ہی کہ گویا خود دریا میں ڈوب گیا ہی اور اس امر کی ترتیب یوں ہی کہ پہلے قصود بعدازاں درود، بعدہ شہود، پہر وجود، اور اُسکے بعد خمود کی حالت حاصل ہوتی ہی - خمود اُسی درجہ کا ہوتا ہی جس درجہ کا وجود ہو اور صاحب وجود کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک محو کی حالت اور دوسری صحو کی حالت. وہ محویت کی حالت میں بالکل فنا فی الحق ہوتا ہی - اور صحو کی حالت میں بقا بالحق حاصل کرتا ہی - یہ دونوں حالتیں ہمیشہ اُس پر یکے بعد دیگرے اور لگاتار وارد ہوتی رہتی ہیں - حالت صحو میں وہ جو کچھ سنتا ہی اور جس چیز کو دیکھتا ہی اللہ ہی کے وسیلہ سے دیکھتا ہی - اور صاحب محو مشاہدۂ حقیقت میں فنا ہوتا ہی نہ اُسے کوئی علم ہوتا ہی نہ عقل اور اِس حالت میں اُسے فہم اور حس سے کوئی تعلق رہتا ہی -
اور جو شخص اہل حقیقت میں سے ہو اُس کی صفت یہ ہوتی ہی کہ جب اُسپر احکام حقیقۃ غلبہ کریں اُس وقت بہی وہ شریعت کے آداب کو نگاہ رکہتا ہو اور کسی وقت اُن کے دائرہ سے خارج نہوتا ہو -

جمع اور فرق:- فرق یہ حالت ہی کہ اغیار کا مشاہدہ کرے اور جمع یہ حالت ہی کہ اغیار کا شہود بہی بواسطہ خداے تعالیٰ کرتا ہو - جمع کی حالت پر بالاتر حالت جمع الجمع ہے اور یہ بالکل فنا ہی جسکے بعد سلطان حقیقۃ کا غلبہ ہونے پر ما سوی اللہ کا احساس تک جاتا رہی -
اور جمع الجمع کے بعد ایک اور بڑی بلند حالت ہی جسکو فرق ثانی کہتے ہیں اسکی کیفیت یہ ہی کہ آدمی فرائض خداوندی ادا کرنے کے وقت حالت صحو کی طرف رجوع کرتا ہی - اور یہ اسیلیے تاکہ اسپر فرائض کا اجرا انکے ٹہیک وقتوں میں ہوسکے - یہ رجوع بہی خدا ہی

کی مرضی سے خدا کا فرض بجا لانے کے واسطے ہوتا ہی نہ یہ کہ بندہ عبدیت کے اثر سے بندگی کی طرف واپس آتا ہی کیونکہ بندہ اس حالت میں اپنے نفس کا یوں مطالعہ کرتا ہی کہ وہ خدا کے تصرف میں ہی وہ قدرت حق تعالیٰ اسے اپنی ذات کے مبدا ار اور عین دونوں کا مشاہدہ کرتا ہی اور دیکھتا ہی کہ کیونکر اُسکے افعال و احوال اُسپر رواں ہوتے ہیں اور یہ مشاہدہ بھی علم و مشیت ایزدی کی وساطت سے ہوتا ہی۔

فنا اور بقا :- صوفیای کرام نے فنا سے یہ مراد لی ہی کہ آدمی کی بُری عادتیں اور باتیں بالکل دور ہو جائیں اور بقا سے یہ مدعا لیا ہی کہ انسان میں قابل تعریف اوصاف قائم ہو جائیں چنانچہ جس نے اپنے جہل کو فنا کیا وہ علم کے ساتھ باقی ہوا۔ اور جس نے اپنے نفس کی خواہشوں کو مارا اُسنے ثابت قدمی سے خدا کی طرف رجوع کیا اور جس نے اپنی رغبت کو خیرباد کہا اُسنے زہد کا دامن پکڑا۔ اور جس نے اپنی آرزو کا چراغ گل کیا وہ ارادہ ایزدی سے گلشن سے گل بداماں ہوا۔ غرضکہ یوں ہی تمام صفات کی نسبت قیاس کرنا چاہیئے کہ مذموم اوصاف کو ترک کرنا اُن کی جگہ اچھے وصفوں کو لے آتا ہی چنانچہ جس نے تصرفات قدرت الٰہی کی روانی مشاہدہ کر لی اُسے ہر بات خدا ہی کی کی ہوئی نظر آئیگی۔ خلق کی جانب سے کسی فعل کے صدور کا اس کو خیال تک نہیں آسکتا۔ اور جب اسے یہ وہم تک نہ رہا کہ اغیار کے بھی کچھہ آثار ہیں تو لا محالہ اس کو صفات حق کے ساتھہ بقا حاصل ہو گیا اور جبپر سلطان حقیقۃ کا استقدر غلبہ ہوا کہ پھر اُسے اغیار کا کوئی عین یا اثر یا نام و نشان تک کا مشاہدہ نہو سکا تو بیشک وہ خلق سے فنا یعنی بے تعلق ہو کر حق کے ساتھہ باقی یعنی واصل ہو گیا۔

عارف کا اپنے نفس سے اور خلق سے فنا ہونا یہ معنی رکھتا ہی کہ اُسے اپنی ذات اور خلق کا کوئی احساس نہیں رہجاتا۔ اسکا نفس موجود ہوتا ہی خلق بھی موجود ہوتی ہی۔ مگر نہ اُسے خلق کا کچھہ علم ہی اور نہ اپنی ذات کا۔ دونوں کا مطلق احساس ہی نہیں نہ کسی کی خبر ہی

وہ اپنی ذات اور خلق سب سے غافل و بیخبر ہے۔ جیسے کہ کسی ذی رتبہ اور صاحب شان کی خدمت میں کوئی جاتا ہے تو اُسکے رعب اور ہیبت سے خود اپنے تئیں اور اُس صاحب مرتبہ کے درباریوں کو بھی بھول جاتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جب بندہ مذکورۂ بالا طور سے اپنی ذات و صفات سب کو بھلا بیٹھا، اسوقت وہ محض صفات حق تعالیٰ کے ساتھ باقی رہجاتا ہے اور صفات حق تعالیٰ کو بھی فنا کرکے شہود حق کے ساتھ باقی بنتا ہے۔ پھر شہود و فنا حق کو بھی فنا کرلے تو وجود حق تعالیٰ میں مستھلک ہوکر مطلوب اصلی کو پہنچ جاتا ہے ع ہستی قطرہ ہے دریا میں فنا ہوجانا۔

غیبت و حضور:۔ غیبت اس بات کا نام ہے کہ انسانی حسن احوال خلق کے اس علم میں مشغول ہوجائے جو اُسپر وارد ہوتا ہے اور حضور یہ ہے کہ عارف حاضر بالحق ہو۔ ہر وقت خدا کے حضور میں رہے چنانچہ جو شخص خلق سے غائب ہوا وہ حق تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگیا گویا وہ ہر وقت پیشگاہ رب العزۃ میں موجود ہے اور اسکا سبب یہ ہے کہ خدا کی یاد اُسکے قلب پر غالب ہے اور وہ اپنے آپ کو ہر وقت خدا کے سامنے ہی پاتا ہے۔ ایسا شخص جسقدر خلق سے غائب ہوگا اُسی اندازہ سے حضور حق تعالیٰ رکھتا ہوگا۔ اگر وہ خلق سے بالکل غائب و غافل ہے تو اُس کی حضوری بھی تام و کامل ہے۔

اور بعض اوقات غیبت کا حال حق تعالیٰ کی طرف سے کسی معنی کے اظہار کرنے کے لیے وارد ہوا کرتا ہے اور اس قسم کی غیبت مکاشفہ کی حالتوں کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوتی ہے۔ اور یہ غیبت مرد عارف کے لیے حضور ہے اور اُس معنی سے حضور ہے جس کے ساتھ خدا نے اُس عارف کو مخصوص کیا ہے۔

اور گاہے غیبت کا ورود کسی ثواب کی یاد یا عذاب کا فکر ہوا کرتا ہے اور اس صورت میں جیسا تذکرہ اور تفکر ہو اُسی درجہ کا حضور نصیب ہوتا ہے۔

کبھی حضور سے یہ بھی مراد لی جاتی ہے کہ صاحب دل شخص اپنی غیبت اور بیہوشی سے نکل آئے اور یہ حضور خلق کے ساتھ ہوتا ہے اور اس سے قبل کی حالت یعنی غیبت

حضور بحق ہوا کرتی ہے۔

صوفیہ کے احوال غیبت کے بارہ میں جدا جدا ہیں بعض کی غیبت بہت ہی تھوڑی دیر کی ہوتی ہے اور کسی کی غیبت ہر وقت اور ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

صحو اور سُکر:۔ صحو۔ غیبت کے بعد شعور کی جانب پھر آنے کا نام ہے۔ اور سُکر اس بات کا نام ہے کہ کسی قوی وارد کے ذریعہ سے غیبت کی حالت طاری ہو جائے جس کو سکر کی کیفیت ہوا کرتی ہے اسکا سُکر کبھی اتنا قوی ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ صاحب غیبت سے بھی زیادہ اپنے آپ سے غائب ہو جاتا ہے۔ اور کسی وقت وہ اپنے سُکر میں بہت پورا نہیں ہوتا اور معمولی حالت سکر میں ہوا کرتا ہے اور گاہے اُسپر سُکر کی حالت طاری ہونے کے وقت میں صرف اشیاء کا خیال اس کے دل سے بالکل جاتا رہتا ہے اور یہ اُس متساکر کا حال ہے جسکو وارد نے پوری طرح نہیں گھیرا ہے۔

سُکر کی حالت صرف وجد والوں ہی کو ہوتی ہے اور اسوقت ہوا کرتی ہے جبکہ اُنپر جمال ازدی کی نعت کا کشف کیا جاتا ہے اسلیے کہ جسوقت جمالی تجلیاں اور صفات کمالیہ کا شہود بندہ پر اسطرح غالب آجاتا ہے کہ اب وہ حق سبحانہ کے سوا کسی کو دیکھ ہی نہیں سکتا تو اس وقت تمام اشیاء اسکے نزدیک ایک ہی چیز ہو جاتی ہیں کیونکہ بندہ اس حالت میں تمام چیزوں کی نسبت صرف ذات واحد حق تعالی ہی کی طرف کرتا ہے اور حق تعالی کی تجلیات کو دیکھنے کا اسپر ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ وہ اشیاء میں کوئی امتیازی فرق کر ہی نہیں سکتا۔

اور غیبت کی حالت اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ وہ کبھی بندوں کو اسوجہ سے بھی لاحق ہوتی ہے کہ انکے قلوب پر رغبت اور خوف کے موجبات کا غلبہ ہوتا ہے۔

اور صحو کا درجہ سُکر کے درجہ کے مطابق ہوا کرتا ہے۔ اگر سُکر حق ہے تو صحو بھی ایسا ہی ہوگا اور جس کا سُکر کسی حظ میں آلودہ ہوگا اُس کا صحو بھی حظ کے ہمراہ ہوگا۔

اور جو اپنے حال میں بر سرحق ہو گا وہ اپنے سکر میں ہی محفوظ رہیگا۔ اور سُکر اور صحو دونوں حالتیں ایک قسم کے تفرقہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

اور جب سلطان حقیقت کی طرف سے کوئی علم ظاہر ہو، اسوقت عبد (بندہ) کی صفت یہ ہی کہ وہ پاش پاش اور مقہور ہو جاے۔ اور صحوٗ اور سُکر کی حالتیں ذوق اور شُرب کی حالتوں کے بعد ہوا کرتی ہیں۔

ذوق اور شرب :- یہ دونوں حالتیں تجلی کے ثمرے ہیں ان میں سے ذوق کی حالت پہلے حاصل ہوتی ہی۔ اسکے بعد شُرب کی حالت اور سب سے آخر میں سیرابی کی حالت عیاں ہوتی ہی۔ چنانچہ صاحب ذوق شخص متسا کر ہوتا ہی اور صاحب شرب سکران یعنی شراب محبت کے نشہ میں چور چور رہوا کرتا ہی اور صاحب الرای یعنی سیرابی کی حالت پر فائز شخص ہوشیار ہوتا ہی۔

جس عارف کی محبت قوی ہی اُسپر شُرب کی حالت کا دوام ہو گا اور جب یہ صفت اُسپر ہمیشہ غالب رہے تو پھر اُسے کبھی شرب سے سُکر ہوا کریگا اور وہ حق کے ساتھ باہوش رہیگا اور ہر حظ سے فانی ہو گا۔ نہ واردسے متاثر ہوا کریگا۔

اور جس کا سِر صاف وشفاف ہو گا اُسکے شرب میں کبھی تکدّر نہ آئیگا۔ اور شرب جس کی غذا ہو جائیگا اُسے پھر بغیر اسکے صبر ہی نہ آئیگا اور نہ وہ بدون اس کے رہ سکیگا۔

محو اور اثبات :- عبودیت وبندگی کے احکام میں عادت کے اوصاف کا رفع کردینا محو ہی اور احکام عبادت کا قائم رکھنا اثبات کہلاتا ہی۔ اب جس شخص نے بُری عادتوں کی اپنے احوال سے نفی کردی اور ان کی بجاے افعال اور احوال حمیدہ کو اپنا پیرایہ کرلیا وہ صاحب محو واثبات ہی۔ اور محو اور اثبات دونوں کی حقیقتیں قدرت سے صادر ہوتی ہیں۔ وہ مشیت ہی پر منحصر کی گئی ہیں۔ چنانچہ محو میت

ہی جسکو خود حق تعالی پوشیدہ اور نابود کردے اور اثبات وہ حالت ہی جس کو خود
حق تعالی ظاہر اور ہویدا کرے یعنی محو خلق کا پردہ میں ہوجاتا ہی اور اثبات حق کے
ظہور کا نام ہی۔

اور محو سے بلند تر مرتبہ محق کا ہی کیونکہ محو تو کچھ اثر اور نشان رہنے دیتا ہے
اور محق نام ونشان کو بھی باقی نہیں چھوڑتا۔ اور صوفیوں کا انتہائی مقصد یہی ہی
کہ حق اُن کو اُنکے شواہد سے بالکل مٹا ڈالے اور پھر اُنہیں یوں خودی سے محق
کے بعد دوبارہ اُن کی خودی کی طرف واپس ہی نہ لائے۔

سَتر اور تجلّی :- عوام ستر کے پردہ میں ہیں اور یہ بات اُنکے لیے سزائے غفلت
ہی اور خواص کو ہمیشہ تجلی ایزدی کے مشاہدہ کا لطف حاصل رہتا ہی۔

حدیث میں آیا ہی :- اگر ذات باری تعالی اپنے چہرۂ قدرت سے پردہ دور
کرے تو اُس کے چہرے کے انوار جہانتک اُس کی بصر پہنچتی ہی سب کو جلا کر خاک
کردیں اسی وجہ سے جس وقت حقیقت کی نور بار شعاعیں جلوہ فگن ہوتی ہیں اسوقت
خاص بندگان خدا اپنے قلب پر ایک قسم کا پردہ طلب کرتے ہیں تاکہ وہ نابود
اور متلاشی نہو جائیں۔ اسی لیے تجلی باریتعالی جس طرح اُن خاص بندوں پر ظاہر ہوتی
ہے ویسے ہی اُنپر ایک پردہ بھی ڈالتی ہی اور یہ پردہ اُن کے حق میں رحمت ہوتا ہے
اور خواص کے لیے استغفار کے یہی معنی ہیں۔

محاضرہ، مُکاشفہ اور مُشاہدہ :- محاضرہ اس حالت کا نام ہی کہ خدا کی
قدرت کی نشانیاں دیکھکر قلب کو اُسکا حضور حاصل ہوا اور کبھی یہ حالت پے درپے
قدرت الٰہی کی دلیلوں اور اُس کی نشانیوں کے قلب پر موثر ہونے سے پیدا
ہوتی ہی۔ اور جسکو یہ حالت حاصل ہو اگرچہ وہ غلبہ یاد الٰہی کی وجہ سے حاضر ہی ہوتا
ہے تاہم یہ حالت سَتر کے بعد ہوتی ہی اور اُس سے بالاتر ہی۔

مُکاشفہ اس بات کا نام ہے کہ انسان کا قلب وصف بیان کے ساتھ ہمداب زبر حاضر رہے اور غیبت کی نعت (صفت) سے محجوب ہو اور صاحب مکاشفہ صفات باری سے مبسوط ہوا کرتا ہے۔

اور مشاہدہ - لاریب حضور حق کو کہتے ہیں یعنی اُس کے حضور میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہوتا اور صاحب مشاہدہ اپنے ربّ کے افعال کا مطالعہ کر کے اسکے وجود کا تعقل کیا کرتا ہے۔

اور صاحب مکاشفہ ذات باری کا علم یوں حاصل کرتا ہے کہ اُس کی صفتوں کو معلوم کر کے بیان کر سکتا ہے۔

اور صاحب مشاہدہ ذات باری تعالیٰ کے شہود میں محو ہو جاتا ہے۔

عمرو بن عثمان مکی مشاہدہ کی تحقیق میں یوں کہتے ہیں کہ اس حالت میں بندہ کے قلب پر بغیر کسی ستر یا انقطاع کی خلل اندازی کے انوار تجلیات باری کا لگا تار ظہور ہوتا رہتا ہے شلاً اگر یہ اندازہ کر لیا جائے کہ بجلی پیہم چمکتی رہے گی۔ تو جس طرح سخت اندھیری رات لگا تار بجلیوں کی چمک سے دن کی طرح روشن ہو سکتی ہے ویسے ہی جب قلب پر تجلی انوار ایزدی کا دوام ہو تو اُس سے پردہ اٹھ جاتا ہے اور اُسکا روز وصل اتنا طویل ہو جاتا ہے کہ پھر شب ہجر آتی ہی نہیں۔

لَوَائح، طوالع اور لَوَامع :- یہ حالتیں قلب کی ترقی میں کوشش کرنے کی ابتدائی منزلیں ہیں اور اہل باطن کے مبتدیوں پر وارد ہوتی ہیں وہ کبھی تجلی میں ہوتے ہیں اور کبھی استتار میں جوں ہی کہ انکے آسمان قلب پر نفسانی خطوط کے سحاب چھاتے اور اُسے تاریک بناتے ہیں اُسی وقت کشف کے لوائح اُن پر جلوہ ریز ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے ستر کے زمانہ میں اچانک لَوَائح کی جلوہ گری کے منتظر اور متوقع رہتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہی کہ لوائح کی حالت بجلی کی تڑپ سے مشابہ ہی ظاہر ہوئی نہیں کہ فوراً پھر چھپ گئی اور لوامع لوائح کی نسبت سے زیادہ ظاہر و نمایاں ہوتے ہیں وہ کبھی دو دو اور تین تین وقت تک قائم و باقی رہتے ہین - اُس تیزی کے ساتھ زائل نہیں ہو جاتے جو لوائح میں ہی -

لمعۂ تجلی ربانی کے چمکتے ہی یہ تابش بندہ کو خودی سے قطع کر کے خدا کے ساتھ جمع کر دیتی ہی اور ابھی اُس کی روشنی پھیلنے بھی نہیں پاتی کہ پھر اُس کا زوال شروع ہو جاتا ہے اور طوالع لوامع سے بھی زیادہ دیر تک رہتے ہیں - یہ اُس سے اثر میں بھی قوی تر ہین اور ان کا دورنگ بھی زیادہ ہی - طوالع تاریکی غفلت کو بہت کچھ دور کر دیتے ہیں مگر ان کا درجہ بہت زیادہ اونچا نہیں اور نہ یہ ہمیشہ قائم رہتے ہیں بلکہ انکے زوال اور مفقود ہونے کا خطرہ لگا رہا کرتا ہی -

اور یہ سب حالتیں اپنی نوعیتوں میں مختلف ہیں بعض ان میں سے ایسی ہیں کہ جب وہ فوت ہو جائے یعنی جاتی رہی تو اپنا کچھ اثر بھی نہیں چھوڑتی - جیسے شوارق کہ اُنکے زوال کے ساتھ ہی رات کی تاریکی دائمی معلوم ہوا کرتی ہی - اور کسی حالت کا یہ مقتضی ہی کہ وہ زائل تو ہو جاتی ہی مگر اپنا اثر پیچھے چھوڑ جاتی ہی اور جس شخص کو ایسی حالت نصیب ہو وہ اُس حالت کے زوال کے بعد بھی اُس کی برکتوں کی روشنی میں اتنی دیر تک آرام سے بسر کرتا ہی جبکہ دوبارہ اُس پر تجلّی کی شعاع تاباں جلوہ ریز ہو -

بوادہ اور ہجوم :- بوادہ وہ حالت ہی جو بطور اچانک کیفیت کے غیب سے قلب پر یکایک طاری ہو جاتی ہی - خواہ کسی خوشی کے سبب سے ہو - یا موجب رنج و الم کے وسیلہ سے -

اور ہجوم :- وہ کیفیت ہی کہ وقت کی قوت سے بغیر کسی آورد کے قلب پر وارد ہوا کرتی ہی -

ان دونوں حالتوں میں کمی اور بیشی کے لحاظ سے اختلاف بھی ہوتا ہے یعنی کبھی کمزور ہوتی ہیں اور کسی وقت زوردار۔ چنانچہ جن لوگوں پر ان حالتوں کا ورود ہوتا ہے ان میں سے کسی کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ بوادہ کے آنے سے وہ متغیر ہو جاتا ہے اور ہجوم اُسے پھر اپنی اصلی حالت پر لے آتا ہے۔ اور بعض ایسے آدمی ہوتے ہیں کہ وہ حال اور قوت کے لحاظ سے کسی اچانک آنے والی کیفیت کے ورود سے بالاتر ہوتے ہیں اور ایسے لوگ اپنے وقت کے سردار ہوتے ہیں۔

تلوین اور تمکین:۔ تلوین ایک حال سے دوسرے حال میں ترقی کرنے اور ایک وصف سے دوسرے وصف میں منتقل ہونے کا نام ہے۔ پھر جب اس ترقی اور انتقال کے دور سے گذر کر آدمی دوسرے حال اور وصف میں پہنچ جائے تو وہ تمکن پا جاتا ہے اور اس کے بعد جہاں اُسے پہنچنا تھا وہاں جا پہنچتا ہے اس رسیدگی کو اتصال کہتے ہیں اور کسی کے اتصال سے بہرہ ور ہونے کا نشان یہ ہے کہ وہ اپنی کلیتہ سے بالکل باطل ہو جائے یعنی سلطان حقیقت کا اسیر ایسا اور اتنا غلبہ ہو کہ اُس کے احکام بشریت کو نابود اور محو کر ڈالے پس اگر بندہ پر اس حالت کا دوام و قیام ہو تو وہ صاحب تمکین ہے۔

تلوین کی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھکر معاً از خود رفتہ ہو جانے والی عورتوں کی حالت ہے اور تمکین کی نظیر عزیز مصر کی بی بی (زلیخا) کی کیفیت کہ یوسف کی محبت نے اُن کے ہر رگ و پے میں اثر کر لیا تھا۔

اور ان حالتوں کی وجہ سے انسان میں جو تغیر ہوا کرتا ہے وہ یا تو وارد کی قوۃ کے سبب سے پیدا ہوتا ہے اور یا اس وجہ سے کہ صاحب حال خود کمزور ہے اور وارد خواہ کتنا ہی ضعیف ہو اسے متغیر کر دینے کے لیے کافی ہو۔

اور پھر ان حالتوں کے بعد سکون ہونے کی بھی دو ہی صورتیں ہوتی ہیں۔

اول یہ کہ صاحب حال وارد سے زیادہ قوی ہو اور دوسری یہ کہ وارد ہی کمزور ہو
اور بندہ جب تک صفائی باطن کے مدارج میں ترقی کرتا رہے وہ برابر صاحب
تلوین رہیگا۔ ہاں جب اُس پر سلطان حقیقت پوری طرح غالب آ جائے اسوقت وہ
صاحب تمکین بنجاتا ہی۔ یعنی حق تعالیٰ اُسکو یہ مرتبہ دیتا ہی کہ پھر اُسے نفس کی برائیوں کی طرف
نہیں پھیرتا اسکے بعد حق تعالیٰ کی مقرر کردہ عنایتوں کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ وہ ہر دم
اپنے بندہ کو نئے نئے تحفے دیتا ہی اور ایک سے ایک بڑھے ہوئے رتبے بخشتا ہی اب
ان زیادتیوں اور ترقیوں میں تو بندہ تلوّن ہوتا ہی لیکن اپنے اصل حال میں متمکن رہتا ہے
اور جوں جوں وہ کسی حال میں متحقق اور ثابت ہوتا جاتا ہی دوں دوں اُس حال
میں تمکن پاتا اور اس حال سے بلند تر حال کی طرف ترقی کرتا ہی یہاں تک کہ
اپنے وجود سے جملۃً باطل ہو جاتا ہے اور نفس اور حس اور اپنی سب چیزوں کو بالکل
باطل کر ڈالتا ہی۔ اگر اسکے بعد بھی یہ غیبت اُسے ہمیشہ حاصل رہی تو وہ محو ہو گیا۔ اب
اُسکے لیے تمکین کا مرتبہ نہیں ۔ اور نہ تلوین کا درجہ رہجاتا ہی۔ بلکہ وہ مقام اور حال سے
بھی گذر کر واصل و متصل بنجاتا ہی۔ اور جب تک اُس کی یہ حالت ہی اُسوقت تک اسکے
لیے نہ تشریف کی حاجت رہتی ہی اور نہ تکلیف کی کلفت۔

قرب اور بعد۔ بندہ کا قرب حق سے اُسی حالت میں ہوتا ہی جبکہ وہ خلق سے
دور ہو۔ جتنا خلق کو چھوڑے گا۔ اُتنا ہی حق سے رشتہ جوڑیگا۔ خدا سے قرب بالذات
محال ہی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حدود و اقطار اور نہایت و مقدار سے پاک و بری ہی
کوئی مخلوق اُس سے متصل نہیں ہوا اور نہو گا اور نہ کوئی حادث مسبوق اُس سے
منفصل ہوا اور نہو گا اُس کی یکتائی وصل اور انفصال کو قبول کرنے سے بالاتر ہی
اور ایزد تعالیٰ کی نعت میں قرب ہونا بالکل محال ہی جسکے معنی ذاتوں کا ایک دوسرے
کے قریب و نزدیک ہونا ہی۔ ہاں نعت میں جو قرب واجب ہی وہ علم اور رؤیت

کی نزدیکی ہی۔ اور جو قرب وصف میں جائز ہی وہ لطف کے ذریعے سے فضل کا قرب ہی چنانچہ علم اور قدرت کے ساتھ حق کا قرب حاصل ہونا تو تمام انسانوں کے لیے عام ہے۔ اور نصرت ولطف کے ساتھ قرب ایزدی کا حصول اہل ایمان کے لیے خاص ہی مگر تانیس اور عرفان کے خصائص کے ساتھ قرب ایزدی کا حاصل کرنا اولیاء اللہ ہی کے لیے خاص کر دیا گیا ہی۔ انکے سوا کسی اور کو یہ حاصل نہیں ہو سکتا اب جس کو یقینی طور پر یہ قرب خداوندی حاصل ہو کم سے کم درجہ یہ ہی کہ وہ ہمیشہ خدا ہی کے خیال میں غرق رہے۔

اور بُعد کی حالت قرُب کی حالت کے بالکل خلاف اور برعکس ہی۔

شریعت اور حقیقت :۔ شریعت اس بات کا حکم ہی کہ بندہ عبودیت کا التزام کرے۔ اور حقیقت۔ ربوبیت کے مشاہدہ کا نام ہی۔

ایک قول یہ بھی ہی کہ :۔ شریعت خدا کی طرف چلنے کا راستہ جاننا ہی طریقت شریعت کے رستہ پر چلنا ہی اور حقیقت اسبات کا نام ہی کہ ہمیشہ حق کی طرف ہی نظر رکھے یعنی مشاہدہ حق میں مستغرق ہو جاسے۔

نَفَس۔ فتحہ فا کے ساتھ غیبی لطیفوں سے دلوں کے تازہ دم ہونے کی حالت ہے۔ انفاس ترقی صفائی باطن کی انتہائی حد ہی اور اُن سے فروتر احوال میں اور احوال سے کم درجہ پر وقت ہی وقت اہل دل اشخاص کے لیے خاص ہی۔ اور احوال اہل ارواح کا خاصہ ہی۔ مگر انفاس صرف اہل باطن اور اصحاب سرائر کو حاصل ہوتے ہیں اور صوفیاء کرام کا قول ہی کہ انفاس کا خدا کے ساتھ شمار کرنا بہترین عبادت ہی۔

خواطر :۔ یہ ایک قسم کا خطاب ہی جو ضمیر دن پر وارد ہوا کرتا ہی۔ اگر یہ خطاب نفس کی جانب سے ہو تو اسکا نام ہَوَاجِسْ ہوتا ہی اور اکثر ہَوَاجِس کسی نہ کسی نفسانی

خواہش کی پیروی کے خواہاں ہوتے ہیں یا کسی بڑائی کی طلب کے استشعار ہوتے ہیں اور ہواجس کچھہ اوصاف نفس کے خصائص نہیں ہیں اور اگر یہ ہواجس شیطان کی طرف سے ہوں تو ان کا نام وسوسے ہوتا ہی اور اکثر وسوسے انسان کو گناہوں کی طرف مائل کرتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحنے ہواجس نفس اور وساوس شیطانی کے مابین یہ فرق بیان کیا ہی کہ جب نفس کسی شئے کو طلب کرتا ہی تو اُسپر بار بار اصرار کیا کرتا ہی اور اپنی طلب کا اسقدر اعادہ کرتا رہتا ہی کہ آخرکار اپنی مراد حاصل کرلیتا ہے اور شیطان جب کسی برائی یا لغزش کی طرف مائل کرتا ہے اور انسان اُس کام کو چھوڑ کے شیطان کی مخالفت پر آمادہ ہوجاتا ہی تو وہ کسی دوسرے بُرے کام کا وسوسہ دلاتا ہے کیونکہ اُس کے لیے توسب برائیاں برابر ہیں اسکا مقصد انسان کو کسی بُرائی میں مبتلا کرنیکا ہوتا ہی اُسے یہ غرض نہیں کہ خاص طور پر فلاں گناہ ہو۔ جو خطا ہی ہوجاے وہی اُسکے حسب مُراد ہی۔

اور جب خواطر کا ورود مَلک کی طرف ہوتا ہی تو اُنکو الہام کہتے ہیں۔ الہام زیادہ تر طاعتوں اور عبادتوں کے داعی ہوتے ہیں۔

خاطر کی سچائی اور اُسکا جھوٹا ہونا اسی طرح معلوم ہوسکتا ہی کہ اگر وہ علم کے موافق ہی تب تو صادق ہی ورنہ علم کے مخالف خاطر ضرور کاذب ہوگا۔ اسی لیے صوفیاے کرام کا قول ہے کہ ہر وہ خاطر جسکے لیے کوئی ظاہر شہادت نہو وے باطل ہی۔ اور بعض خداشناس بزرگوں نے یوں کہا ہی کہ کسی خاطر کو قرآن اور حدیث کے دو گواہوں کے بغیر قبول نہیں کرنا چاہیے اگر قرآن اور حدیث اس خاطر کے موافق نہوں تو کبھی اُسپر عمل نہ کیا جائے۔

ایک یہ بات بھی ہی کہ نفسی اور شیطانی خاطر کے بعد قلب پر ایک قسم کا الم

طاری ہوتا ہی شیطانی خاطر کی شناخت یہ ہی کہ اگر اُس کو دوسرے خطرہ سے تبدیل کیا جائے تو وہ فوراً بدل جائے - اور نفسانی خاطر کی علامت یہ ہی کہ وہ دل گرفتگی کے ساتھ ہی طلب خواہش پر اصرار پیدا کرے - ان دونوں خطرات کو قلب میں پیدا ہونے کے ساتھ ہی اس سے نکال باہر کرنا واجب ہی تاکہ یہ قدم جماکر ہم اور عزم نہ بن سکیں -

خاطر ملکی کے ورود کے بعد قلب میں ایک قسم کی لذت اور ٹھنڈک پیدا ہوتی ہی جس سے صاحب خاطر کو نہ کچھہ تکلیف محسوس ہوتی ہی اور نہ اُس کی صورت میں کوئی تبدیلی آتی ہی - بس یہ خاطر ایک ناصح کے مانند ہوتا ہی -

اور اگر خاطر من جانب حق تعالیٰ ہو تو وہ خاطر حق ہی اُسکے ورود کی یہ حالت ہی کہ جب قلب پر آتا ہے تو ایک قسم کا رعب قلب پر طاری کر دیتا ہے اور اُسے بالکل اپنے قابو میں کر لیتا ہے اُسکے بارہ میں قلب دفع اور تردد کو مطلق برداشت نہیں کر سکتا اور نہ بندہ اس کی ذرہ بھر بھی مخالفت کر سکتا ہی حالانکہ دوسرے خواطر کی یہ کیفیت نہیں ہوتی - انکے متعلق دفع اور تردد ہو سکتا ہے کیونکہ صاحب خاطر کبھی ان سے موافقت کرتا ہے اور گاہے مخالفت بھی کر سکتا ہے -

کہا گیا ہی کہ قصد کے پانچ مرتبے ہیں - پہلا مرتبہ ہاجس ہے اور یہ سب سے پہلے قلب میں نمایاں ہوتا ہے - دوسرا مرتبہ خاطر ہے یہ دل میں کھٹک پیدا کرتا اور اُس میں سے گزرتا ہے - تیسرا مرتبہ قصد کا حدیث نفس ہی اور یہ ایسا خطرہ ہوتا ہی کہ نفس اس کے بارہ میں سوچتا ہے کہ اُسے کرے یا نکرے - چوتھا مرتبہ ہم ہی اور یہ ایسا قصد ہے کہ اسکا فعل ترجیح پائے یعنی اس کو ذکر کرنے کا خیال راجح ہو جائے اور پانچواں مرتبہ قصد کا عزم ہی اور یہ وہ قصد ہی جس پر انسان بالکل پختہ اور تیار ہو جاتا ہی ان پانچوں مراتب میں سے بندہ کا مواخذہ صرف آخری مرتبہ پر ہوتا ہی مگر جبکہ فعل حرام کا قصد ہو کیونکہ فعل حرام کے بارہ میں تو صرف ارادہ ہی پر مواخذہ ہوتا ہے -

اور ارادہ عزم سے فروتر مرتبہ پر ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس ہاجس کو خاطر اول کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ خاطر ربانی ہے پھر اگر وہ نفس میں ثابت ہو جائے تو اسکا نام ارادہ رکھتے ہیں اور آدمی اُس کے بارہ میں متردد ہو تو اسکا نام ہم ہے۔ اور چوتھے مرتبے میں اس کو عزم کہیں گے۔ اور فعل کی جانب توجہ کرتے وقت اگر کرنے کا خیال ہو تو اُسے قصد کے نام سے موسوم کرینگے۔ اور کام کو شروع بھی کر دیا جائے تب اُس کو نیت سے موسوم کرینگے۔

لیکن اگر کرنے یا کسی فعل کا خاطر نہیں ہے تو اسکا نام الہام یا علوم وہبی اور علوم لدنی ہوگا۔

صوفیہ کہتے ہیں:- خاطر اول کو کبھی جھوٹا نہیں کہا جاتا۔ اور خاطر ثانی کی کبھی تصدیق نہیں کی جاسکتی۔ خاطر ثالث کبھی دھوکا نہیں دیتا۔ اور خاطر رابع کسی وقت بھی خیر خواہی نہیں کرتا اور خاطر اول ہی کے ذریعہ سے مومن کامل کو فراست کا حصول ہوتا ہے اور سالک واجد کو مکاشفہ نصیب ہوا کرتا ہے۔

نیز اُن کا اس بات پر اتفاق رائے ہے کہ جس شخص کا اکل حرام ہوگا یعنی وہ ناجائز وسائل آمدنی سے اپنی شکم پروری کرتا ہوگا اُسے الہام اور وسواس کے مابین فرق و امتیاز کرنے کا ہرگز یارا نہیں ہوسکتا۔

ابو علی وقاق فرماتے ہیں:- جس شخص کی غذا معلوم (یعنی ناجائز) ہوگی وہ ہرگز ان دونوں (یعنی الہام اور وسواس) کے مابین فرق نہ کرسکیگا اور یہ کہ جس شخص کے ہوا جس نفس اُسکے مجاہدہ کے صدق کی برکت سے ساکن ہو جائینگے اُس کے قلب کا بیان ناطق ہوگا۔"

تمام شیوخ صوفیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ نفس کبھی سچا نہیں ہوتا اور قلب کی کبھی تکذیب نہیں کی جاسکتی۔ اور روح سے کبھی اختلاف نہیں ہوسکتا۔

صوفیہ کا اس بارہ میں اختلاف ہی کہ دونوں قسم کے خاطروں میں زیادہ قوی خاطر کون ہے بشرطیکہ وہ منجانب حق ہوں۔

جنید رحمۃ اللہ کا قول ہی کہ خاطر اول زیادہ قوی ہے اور ابن عطاؒ دوسرے خاطر کو قوی تر کہتے ہیں۔ مگر عبداللہ بن خفیفؒ نے دونوں خاطروں کو یکساں قرار دیا ہی کسیکو ترجیح نہیں دی ہے۔

علم الیقین۔ عین الیقین اور حق الیقین: یقین وہ علم ہی کہ جس کو حاصل ہوئے پھر کوئی شک نہ باقی رہے اور نہ اُس کے دل میں شک و شبہ کی سمائی ہو سکے۔

علم الیقین وہ علم ہی جو واضح دلیل اور برہان کی شرط سے حاصل ہو۔

عین الیقین وہ علم ہی جو بیان کے حکم میں ہو۔

اور حق الیقین وہ علم ہی جو عیاں کی تعریف میں ہو یعنی گویا اُسے آنکھوں سے دیکھا ہے۔

وارِد: وہ ہی جو قلوب پر بلا کسی اختیار کے وارد ہوتا ہے خواہ وہ قابل تعریف خواطر کی قسم سے ہو یا نہو۔ جیسے سرور۔ حزن قبض اور بسط وغیرہ کے واردات اور معانی ہیں۔

شاہد: وہ چیز ہے جو انسان اور مرد عارف کے قلب میں حاضر و موجود ہو اور وہ ایسی چیز ہے جس کی یاد اُس کے قلب پر ایسی چھائی رہے کہ گویا وہ اُسے چشم و دل سے برابر دیکھ رہا ہے۔ اب اگر وہ آدمی اپنے شاہد سے غائب ہی تو جوں ہی اور جب کبھی اُسکے قلب پر شاہد کی یاد غالب آگئی اُسیوقت وہ سامنے موجود اور شاہد ہو گا۔

شعر

دل کے آئینہ میں ہی تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اور صوفیہ کے کلام میں اکثر آیا کرتا ہی کہ فلاں کا شاہد علم ہی۔ فلاں شخص شاہد وجد

کے ساتھ ہے اور اس کو شاہد حال نصیب ہے تو اسے شاہد حق کا مشاہدہ حاصل ہے۔ چنانچہ مخلوق میں سے بھی جب کسی کا دل اپنے ہی مانند کسی مخلوق سے لگ جائے اور اُس کی محبت کے نشہ میں چوہو اُس کی نسبت بھی یہی کہا جاتا ہے کہ وہ محبوب اس حبیب کا شاہد ہے یعنی ہر وقت اس کے دل میں حاضر رہتا ہے۔

نَفْس :- اسمیں حرف (فے) ساکن ہے۔ اس سے بندہ کے وہ اوصاف مراد ہیں جن میں کوئی خرابی ہوتی ہے اور نیز اُس کے بُرے اخلاق اور افعال مراد ہیں۔

خراب باتیں یا تو گناہ اور حکم ایزدی کے خلاف کرنا ہے اور یا ذلیل اخلاق ہیں گناہ اور مخالفت حکم سے ممانعت کی گئی ہے خواہ وہ ممانعت ممنوعات کو حرام کی حد تک پہنچا دے یا نہی تنزیہی ہو۔

اور بُرے اخلاق یہ ہیں کہ غرور، غصہ، کینہ، حسد، بدمزاجی طبیعت میں برداشت کی قوت کا نہ ہونا۔ اور ایسی ہی دوسری باتیں جن کو مذموم مانا جاتا ہے۔

نفس کے احکام میں سب سے زیادہ سخت تر اسکا یہ توہم ہے کہ اُس میں کوئی خوبی ہے، یا یہ کہ اُسے کسی قدر و قیمت کا استحقاق ہے اسی لیے اس بات کو شرک خفی میں شمار کیا گیا ہے۔ نفس کی پامالی اور اُسکا زعم توڑنے میں اخلاق سے کام لینا زیادہ کامل اور بہتر بات ہے بہ نسبت اسکے کہ بھوک پیاس اور شب بیداری وغیرہ مجاہدوں کی محنت برداشت کی جائے گو ان باتوں سے نفس کچھ نہ کچھ شکست ضرور پاتا ہے۔

اور کبھی نفس سے وہ لطیفہ مراد لیا جاتا ہے جو کالبد انسانی میں ودیعت کیا گیا ہے اور وہی لطیفہ بُرے اخلاق کا محل ہے۔

روح :- حدیثوں سے پایا جاتا ہے کہ روحیں اعیان لطیفہ اور مخلوقہ ہیں اور اُن کو کالبد انسانی میں ودیعت کیا گیا ہے۔ روحیں خواب کی حالت میں ترقی کرتی ہیں اور بدن سے جدا ہو کر پھر اُس میں واپس آتی ہیں۔ انسان روح اور جسم دونوں کا مجموعہ ہے اور عادت الٰہی یونہی

جاری ہے کہ جبتک روحیں بدنوں میں رہیں اُسی وقت تک کالبد میں زندگی پیدا رہے۔

روح کی حقیقت خدا کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے۔

سِرّ :- یہ بھی ایک لطیفہ ہے جو روحوں کی طرح قالب میں ودیعت رکھا گیا ہے صوفیہ کا اصول سِرّ کے بارہ میں اس بات کا اقتضا کرتا ہے کہ وہ مشاہدہ کا محل ہے جیسے کہ روحیں محبت کے محل ہیں اور قلوب معارف کے محل ہیں۔

صوفیہ کہتے ہیں :- سِر وہ ہے جسپر تم کو کچھہ آگاہی ہو۔ اور سر السّر وہ ہے کہ اسپر حق تعالیٰ کے سوا کسی کو اطلاع نہیں ہے۔

سِرّ روح سے زیادہ لطیف ہے اور روح قلب سے زیادہ شرف رکھتی ہے۔ اور کبھی سِر کا اطلاق اس بات پر ہوتا ہے جو احوال میں بندہ اور حق سبحانہ تعالیٰ کے مابین محفوظ اور مخفی ہوا کرتی ہے اور اسی لحاظ سے صوفیہ کا یہ مقولہ ہے کہ صُدُوْرُ الاحرارِ قبورُ الاسرار۔

وصل سوم

مقاماتِ تصوّف

تصوّف کے مقامات بہت سے ہیں۔ ذیل میں اُنکے نام اور مختصر تشریح درج کی جاتی ہے۔

توبہ شرع نے جن باتوں کو بُرا قرار دیا ہے۔ اُنہیں چھوڑ کر ایسی باتیں اختیار کرنا جو شرع میں اچھی ہیں اُس کو توبہ کہتے ہیں اور اسی کے ساتھہ اپنے گناہوں پر پشیمان ہونا لغزشوں کو فوراً چھوڑ دینا اور یہ عزم کر لینا بھی ضروری ہے کہ اگر خدا سے پاک

مدد اور قوت دے تو پھر کبھی اُن بُری باتوں کے گرد بھی نہ پھریگا۔

توبہ کا حق یہ ہی کہ اگر خدا کا کوئی حق ترک کیا ہو تو اُس کی قضا کرے اور کفارہ دے اور بندہ کا حق تلف کیا ہو تو اسے ادا کرکے اپنی گلوخلاصی کرلے۔ اگر بندہ کا حق مال سے تعلق رکھتا ہے تو یہ چاہیئے کہ جسکا مال لیا ہی اسی کو واپس کرے اور وہ شخص زندہ رہا ہو تو اُسکے وارث کو پہنچادے پھر اگر یہ بات بھی ممکن نہو تو جتنا مال دینا ہی اُسے فقیروں پر صدقہ کردے یا مسلمانوں کی بہتری کے کاموں میں خرچ کرے۔ اور اگر یہ بندہ کا حق جان سے تعلق رکھتا ہے یعنی کسی کے خون کا بدلہ یا ایذا رسانیوں کا معاوضہ ادا کرنا ہی تو خون بہا یا قصاص دیکر اس سے نجات حاصل کرے اور یہ بات نہو سکے تو اُس خون بہا یا قصاص کے حق دار سے اپنا گناہ بخشوالے۔ پھر اس بات پر بھی قادر نہو سکے تو جتنے ظلم اور گناہ کیے ہیں اتنی ہی زیادہ نیکیاں اور اچھے کام کرے۔

اگر کسی کی عزت وآبرو کو صدمہ پہنچایا ہی تو اسکے حق دار سے معافی مانگے۔ اُس کو تحفہ دیکر۔ اسکی ضیافت اور خاطر داری کرکے اُسے راضی بنالے۔

آدمی کو چاہیئے کہ اگر اُس سے کوئی بُرا کام ہو جائے تو اسکے بعد ہی نیک کام بھی ضرور کرے مثلاً اگر ناچ گانا دیکھا اور سنا ہے تو اُسکے بعد قرآن شریف سنے۔ اگر کسی گناہ کی مجلس میں بیٹھا ہے تو اُس کے عوض مسجد میں اعتکاف کرے۔ شراب پی ہو تو اُسکے کفارہ میں غریب آدمیوں کو حلال مزہ دار شربت پلائے۔ کسی آدمی کو جان سے مارا ہو تو اسکے تاوان میں ایک جان (غلام) کو آزاد کرے۔ (یا کسی ہلاک ہونیوالیکو بچالے) اگر غیبت کی ہو یعنی کسی کے پیچھے اُسے بُرا کہا ہو تو جس کو بُرا کہا ہی اُسکے لیے خدا سے مغفرت کی دعا کرے۔ اور اگر کسی پر بیجا غصہ کیا ہو تو اُس کے عوض میں صدقہ دے۔ غرضکہ اسی طرح کرتا رہی اور استغفار بہت کثرت سے کیا کرے۔

توبہ کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہی کہ انسان کو عبادت کا مزہ ملنے لگتا ہے۔

اور اگر کبھی اُن کو گناہ کی یاد بھی آجاتی ہے تو وہ اُسکے مزہ کو بالکل فراموش کر چکا ہوتا ہی
جس شخص نے پورے سات سال توبہ پر استقامت کر لی خدا کی ذات سے امید ہے
کہ وہ شخص پھر کبھی توبہ شکنی نہ کریگا۔ اور انسان کی استقامت کی یہ شناخت ہے
کہ وہ کسی کام کا اقدام بھی نیک ہی نیت سے کریگا اور اپنے کاموں کا کوئی مقبول جواب
خدا کو دینے کے لیے تیار ہوگا۔ ورنہ جب اُس کی سبیل نہ پائیگا تو وہ کام نکرے گا
اور توبہ کے مقبول اور صحیح ہونے کی یہ علامتیں بھی ہیں کہ آدمی خدا کی عبادتیں سچے
دل سے بجا لائیگا۔ اُس کو عبادت میں حضور قلب نصیب ہوگا۔ وہ گناہوں اور بُرے
ساتھیوں سے دور بھاگے گا۔ مباح کاموں میں نیت اور ادب کو ملحوظ رکھیگا تاکہ وہ
کام پسندیدہ ہو جائیں۔ اپنے نفس کا ہر دن کی شام کو احتساب کرتا رہیگا نفس
کو ہمیشہ جھوٹا اور روباہ کار سمجھیگا اور ہر بات میں خدا سے مدد مانگا کریگا۔

توبہ پہلے مرتبہ میں گناہوں سے ہوتی ہے اسکے بعد کا مرتبہ یہ ہے کہ غفلتوں سے
توبہ کرے اور نیکیوں کو ملحوظ رکھے۔ اور اسکے بعد خدا کے سوا ہر چیز سے تائب ہو جائے

بعض عارف باللہ بزرگوں نے فرمایا ہی:۔ جو شخص گناہ کا قصد کرتے وقت تین
باتوں کو اپنے ذہن میں حاضر کرلے اُسے گناہ سے بچنے کی توفیق روزی ہوگی۔ پہلا امر
گناہ کی بُرائی ہی اور اُس کے کرنے سے جس غضب الہی اور اُس کی ناراضی کا مستوجب
ہوگا اسکا دھیان ہی۔ دوسرا امر نفس کی کمینگی اور اُس کے خدا سے روگرداں ہونے
پر غور کرنا ہی اور تیسرا امر یہ ہے کہ اس بات کو سوچے کہ اگر اللہ اپنے بندہ کو پکڑنا چاہے
تو وہ بڑا قادر اور قاہر ہے اور اُسے سخت سزا دے سکتا ہے۔ پھر اسکے بعد تصور کرے کہ
خدا نے کیونکر اُسے معاف فرما دیا اور اپنی عنایت سے اُسکے گناہوں کی پردہ پوشی
کی ہے جو شخص ان باتوں کا دھیان اپنے دل میں لاسکیگا خدا کو منظور ہی تو وہ گناہو
سے محفوظ رہیگا اور عصمت پائیگا۔

مجاہدہ :- مجاہدہ اس مقام کا نام ہے کہ نفس کو اُس کی رغبتوں سے باز رکھا جائے اور اس سے اُس کے خلاف خواہش کام لیے جاویں اُسے ذلت کی سزا دیکر اُس کی قوت کو توڑا جائے۔

مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں - اول عوام کا مجاہدہ - اور دوسرے خواص کا مجاہدہ پہلی قسم کا مجاہدہ اعمال کو پوری طرح ادا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور دوسری قسم کا مجاہدہ احوال باطن کی صفائی حاصل کرنے سے پورا ہوا کرتا ہے۔

بعض صوفیہ کا قول ہے :- جو شخص یہ خیال کرے کہ طریقہ تصوف کا کوئی رستہ اور اُسکے مقامات کا کوئی مرحلہ اُسپر بغیر مجاہدہ کے کھل سکیگا اور عیاں ہوگا وہ غلطی میں مبتلا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مجاہدہ ایک ضروری چیز ہے - انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس سے مجاہدہ کرنے میں بہت سخت کوشش کرتے اور نفس کی شامتوں اور آفتوں سے بہت ڈرتا رہے اُسکے سامنے آرام و راحت کا دروازہ بند کردے اور تکلیف و محنت کا در کھولدے - عزت کا در مسدود کرے اور ذلت کا دروازہ وا کرے۔ آسایش کو خیرباد کہے اور کوشش میں سرگرم رہے - راتوں کا سونا ترک کرے اور انہیں جاگ کر عبادت میں بسر کرے۔ دولت و ثروت سے منہ موڑے اور فقر و فاقہ سے رشتہ جوڑے - امیدوں کے در کو قفل لگاوے اور موت کے لیے تیار ہونیکا دروازہ کھول لے۔

اور نفس کی خرابیوں اور آفتوں میں سے بڑی باریک اور مشکل نظر آنیوالی آفت یہ ہے کہ وہ اپنی تعریف کو بہت پسند کرتا ہے اور اپنے تئیں دیکھنے والوں کی نظر میں اچھا دکھانا چاہتا ہے ان باتوں سے بہت بچنا چاہئے۔

مخالفت نفس :- نفس کی مخالفت تصوف میں واجب ہے - کیونکہ نفس سب سے

بڑا دشمن ہے اور یہ امر خدا کے غضب و قہر سے بعید قریب پہنچانے والا ہے کہ آدمی نفس کو اور اُسکے احوال کو دیکھتا رہے یعنی ان کا لحاظ رکھے اور اس سے بھی زیادہ سخت بُرائی یہ ہے کہ نفس اپنے افعال پر بدلہ اور عوض کا مطالبہ کیا کرتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اس بات کا خیال ترک کردے۔ نفس اور خواہش نفسانی کی پیروی کو چھوڑ دے اُن کے کہنے کے خلاف کام کرے۔ نفس کبھی سچائی سے کام نہیں لیتا۔ صوفی پر واجب ہے کہ ہمیشہ نفس کو جھوٹا ہی سمجھے اور اُس کی کسی بات کو پسند نہ کرے۔ نہ کبھی نفس سے راضی ہو اور نہ کسی دم اُس کی کچھ قدر و قیمت سمجھے۔

نفس کے بہت سے بُرے اخلاق ہیں مثلاً حسد، غیبت، حرص، اپنی بڑائی کا خیال۔ خودپسندی۔ غرور۔ اور ایسی ہی دوسری باتیں۔

جوع:۔ جوع مجاہدہ کا ایک رکن ہے۔ اہل سلوک نے رفتہ رفتہ بھوکے رہنے کی عادت ڈالی ہے وہ جسم کو قائم رکھنے کی ضرورت سے زائد کھانے کو کبھی پسند نہیں کرتے۔ زیادہ خوری سے باز رہتے ہیں۔ بس اتنا ہی کھانا کھاتے ہیں جو بدن کی قوت کو فی الجملہ قایم رکھے اور اس بات میں اُنھوں نے بہت سے سرچشمے پائے ہیں۔

رودباریؒ کہتے ہیں۔ اگر صوفی پانچ دن کے فاقے کے بعد بھی یہ کہے کہ میں بھوکا ہوں تو اُسے بازار میں جانے کا حکم دو اور کہو کہ محنت کرکے کمائی کھائے۔

سنت بھی یہی ہے کہ آدمی صرف چند لقمے کھالیا کرے جس میں اُس کی بدنی طاقت قائم رہے ورنہ یہ کافی ہے کہ پیٹ کے تین حصے کرے۔ ایک تہائی کھانے سے۔ دوسری تہائی پانی سے بھرے اور تیسری تہائی کو سانس آنے جانے کے لیے خالی رکھے۔ روزہ رکھے تو افطار کا وقت آنے پر افطار میں جلدی کرنا چاہیے۔ اور سحری کھانے میں دیر لگانا سنت ہے۔

سہر:۔ یعنی شب بیداری اور جاگنا۔ آدمی کو لازم ہے کہ جب نیند بہت غلبہ کرے

اُسیوقت سوے۔ رات کا چوتھائی حصہ سونے کے لیے کافی ہی اور اتنے میں نیند پوری نہو تو ایک تہائی حصہ رات کا سو کر بسر کرے جس کی مقدار چار گھنٹے ہیں۔
سنت یہ ہے کہ آدمی نماز عشا کے بعد سو رہے اور آدھی رات گزرنے کے بعد اٹھکر عبادت میں مشغول ہو۔ اور گرمیوں کے دن میں دوپہر کے وقت ایک گھنٹہ کے قریب قیلولہ کرلیا کرے۔ یعنی لیٹ جائے یا سو رہے۔ بہت زیادہ سونا اچھا نہیں ہوتا اس سے حواس کند ہو جاتے ہیں۔
صُمت :۔ یعنی خاموشی۔ اور نجات اسی میں ہے۔ عقلمند آدمی کو لازم ہی کہ بغیر ضرورت کے ہرگز نہ بولے۔ لڑائی جھگڑے بکھیڑے، دنگہ فساد، کج بحثی، بدزبانی گالی گلوچ، لعنت کرنے کسی مسلمان کو گنہگار بنانے، کسی کو بددعا دینے ہنسی مذاق کرنے کسی کی ہنسی اڑانے کسی کا نام رکھنے۔ راز کو کھول دینے اور غیبت چغلی تعریف اور یہ ٹھان کر وعدہ کرنے سے کہ اُسے پورا نہ کریگا اپنی زبان بند رکھے۔ دو دشمنوں کے مابین اس قسم کی باتیں نہ کرے کہ اسکے منہ پر اس کی ایسی اور دوسرے کے سامنے اُسکی ایسی کہکر اور بات بڑہا دے اور نہ کوئی ایسی بات زبان سے نکالے جس کے کہنے کی ممانعت کی گئی ہو۔ فضول اور بیکار باتیں کرنا بھی بُرا ہے۔
ہاں کام کی بات کہنا چاہئے اور ایسی ضروری باتیں کرنا چاہیے جنکا کہنا لازمی ہو۔ مثلاً صدقہ کا حکم دینا۔ نیک کام کرنے کو کہنا اور لوگوں کی آپس میں صلح کرا دینا کہ یہ باتیں شرع کے حکم سے کرنی ضروری ہیں اور عقل کے اعتبار سے بھی قابل تعریف۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ چپ رہنے کے موقع پر خاموش رہنا مردوں کی صفت ہی جیسے کہ بولنے کی جگہ بولنا بہت اچھی عادت ہی۔
عُزلت :۔ عزلت یعنی گوشہ نشینی بری عادت رکھنے والوں سے دور رہنے اور الگ بھاگنے کا نام ہے۔ یہ اسلیے تاکہ انکی آفتوں سے بچا رہے اور عبادت کے

لیے بفراغت وقت ملے۔ عزلت کے آداب میں ایک بات یہ ہے کہ اُسے اختیار کرنے سے پہلے اسقدر شرعی علوم کو حاصل کرے جسقدر کہ اُسے اپنے کام میں سوجھ بوجھ حاصل کرنے کے واسطے ضروری ہیں اور عزلت سے یہ نیت کرے کہ اور لوگ اُس کی بُرائیوں اور شر سے محفوظ رہیں۔ یہ کبھی نہ خیال کرے کہ وہ اوروں کی شر سے بچنے کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے پھر گھر میں یا ایسے ہی کسی تنہا مقام میں بیٹھا رہے تاکہ لوگ وہاں آکر اُسکے وقت کو ضائع نکریں۔ اور جس جگہ عزلت گزین ہو وہاں سے بغیر ضرورت کے پھر باہر نہ نکلے۔ مثلاً نماز کی جماعتوں میں شریک ہونے اور جمعہ اور عیدین کی نماز ادا کرنے کے لیے یا علمی مجلسوں میں جانے کے واسطے باہر نکلے۔ باقی وقت عزلت میں کاٹے۔ پس اپنے خدا کی یاد میں مصروف رہے اور اُسی کی خوشنودی کا طالب رہے۔ عزلت نشینی کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ پھر اپنے نفس کا کوئی مطالبہ اسباب معاش کے بارہ میں نہ سُنے ورنہ اُس کی عزلت اُس کے لئے فتنہ ہو جائیگی۔

تقویٰ۔ تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ خدا کی عبادت کے ذریعے اسکی عقوبت سے بچنے کی کوشش کی جاے۔ بحالیکہ وہ طاعت واجب بھی ہے تقوی کی اصل یہ ہے کہ پہلے شرک سے پرہیز کرے اور اُسکے بعد گناہوں سے محترز ہو۔ اور اس درجہ کا تقویٰ حاصل ہونے کے بعد مزید ترقی یہ ہے کہ ہر شبہ کی باتوں سے بچتا رہے اور بعد ازاں فضول باتوں کو ترک کردے۔ اور جب تقوی کا یہ درجہ حاصل ہوجاتا ہے تو مرد مومن بندوں پر ظلم کرنے انکے حقوق مارنے اور ہر قسم کے گناہوں سے نجات پاجاتا ہے خواہ وہ گناہ بڑے ہوں یا چھوٹے اور دل کے گناہوں کو بھی ترک کردیتا ہے۔ جیسے ریا۔ نفاق خودبینی غرور حرص لالچ اور خلق کا خوف وغیرہ یا اُن سے کوئی اُمید رکھنا۔ یا جاہ اور ریاست کی طلب اور اپنے ابنا ے

جنس کی برتری کی خواہش۔ یا ایسے ہی دیگر امور۔
متقی شخص اپنے نفس پر قادر ہوتا ہے۔ وہ نفسانی خواہشوں کو ترک کر دیتا ہے اور انکی مخالفت کی قدرت رکھتا ہے اور اس سے بھی ترقی کر کے ارادوں اور آرزوؤں تک سے دست بردار ہو جاتا ہے حتی کہ آخر کار خدا کے سامنے کسی چیز کو بھی پسند نہیں کرتا اور نہ اپنی طرف سے کوئی تدبیر کرتا ہے۔ جو کچھ خدا اسکے لیے کر دے اُسی پر قانع رہتا ہے تلاش روزی میں کسی جہت یا سبب کی طرف رخ نہیں کرتا۔ اور نہ قضائے الٰہی میں کوئی اعتراض کرتا ہے۔ بلکہ تسلیم و رضا پر ثابت قدم ہو کر اپنے معاملہ کو خدا کے سپرد کر دیتا اور اُسی کے بھروسہ پر ہو بیٹھتا ہے۔ اپنے تئیں بیجان مردہ کی طرح خدا کے ارادے و مشیت کے سامنے ڈال دیتا ہے اور اسی سبب سے کہا جاتا ہے کہ آدمی کے تقوے پر تین باتوں سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اول جو چیز اُسے نہ حاصل ہو اُسکے بارہ میں اچھے طور سے توکل پر قائم رہنا دوسرے جو کچھ ملجائے اُسکے بارہ میں بخوبی راضی برضا رہنا۔ اور سوم جو چیز ہاتھ سے جاتی رہے اُسپر عمدہ طور سے صبر کرنا۔

ورع۔ ورع اس بات کا نام ہے کہ آدمی شبہ کی باتوں اور فضول و بیکار کاموں تک کو ترک کر دے۔ بعض صوفیہ کا قول ہے "ہر ایسی چیز جو آدمی کو یاد خدا سے باز رکھے یا اپنے میں مبتلا کرلے وہ شبہات میں داخل ہے اور ہر وہ شے جو تم کو خلق کے ہاتھوں سے ملے اور تم اس کی وجہ سے مخلوق کے مزید دست نگر ہو جاؤ اور خدا پر نظر رکھنا چھوڑ دو وہ بھی شبہ ہے۔"

اور ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں:۔ "ہر ایسی بات جو سینہ میں خلش پیدا کرے وہی شبہ ہے اسلیے انسان کو یہ لازم ہے کہ جس بات سے اُسپر خلق کا الزام آتا ہو اور ہر وہ کام جسکے کرنے سے شرعی مواخذہ میں مبتلا ہونیکا اندیشہ ہو یا نفس کو اُسکی خواہش ہو یا دوسرے آدمیوں کی ارادت کرنی پڑے اُسے بالکل چھوڑ دے۔"

اور صاف ستھرا حلال وہ ہے جس کی وجہ سے آدمی خدا کا گنہگار اور نافرمان نہو اور نہ اس میں پھنسکر خدا کو بھول جائے۔

ورع کا ایک ظاہری اور وہ یہ ہے کہ انسان کوئی حرکت بھی کرے خدا ہی کے لیے کرے اور اسکا باطن یہ ہے کہ آدمی کے دل میں اللہ کے سوا کسی کا دخل ہی نہو۔

صوفیہ نے فرمایا ہے:۔ ورع اسوقت تک حاصل نہیں ہوتی جبتک کہ آدمی ذیل کی دس خصلتوں کو اپنے لیے لازم نہ بنائے۔

(۱) زبان کو غیبت سے بچائے۔

(۲) بدگمانی سے پرہیز کرے۔

(۳) ہنسی مذاق سے بچے۔

(۴) محارم سے بھی آنکھیں نیچی رکھے۔

(۵) زبان کا سچا ہو۔

(۶) نیکی کی توفیق پانے میں خدا کی عنایت کا قائل رہے۔ تاکہ اپنے نیک ہونے پر گھمنڈ نکرے۔

(۷) مال کو صرف راہ حق میں خرچ کرے۔ اور باطل راہ میں نکرے۔

(۸) بڑائی اور برتری سے دور رہے۔

(۹) فرائض کو پوری طرح ادا کرے۔

(۱۰) طریق سنت وجماعت پر قائم رہے۔

زُہد :۔ زہد۔ حرام کو بالکل چھوڑ دینے اور بیکار حلال باتوں سے بھی دست برداری کرنیکا نام ہے۔ اور آدمی کو اسوقت تک کبھی زاہد نہیں کہا جاسکتا۔ جبتک کہ اُس کی یہ حالت نہو جائے کہ اگر خدائے پاک تین دن تک اسے روزی نہ دے اور اُسکا رزق بند کردے تب بھی وہ عبادت وطاعت الٰہی میں کمزوری نہ دکھائے۔ اگر یہ بات نہو گی تو

زہد بھی نہو گا بلکہ وہ جہل اور فضیحت ہی۔

زاہد کی دو علامتیں ہیں۔ اول یہ کہ جب اُسے کچھ ملے تو وہ ایثار کرے اور دوم یہ کہ جب اُسے کچھ نہ ملے تو وہ اس بات سے اپنے دل میں راحت پائے اور خدا کے خاص بندوں کا زہد یہ ہی کہ تمام ایسی باتوں کو چھوڑ دے جو بندہ کو خدا سے غفلت میں ڈالتی ہیں۔

صَبر:- صبر اس بات کا نام ہی کہ نفس کو ناپسند بات کے برداشت اور سہار کا خوگر بنائے اور لذیذ شے کے نہ ملنے سے بے قرار نہو جانے کی عادت ڈالے۔

صبر کی کئی قسمیں ہیں (۱) خدا کے حکموں پر صبر کرنا یعنی انکو پوری توجہ اور دلچسپی سے ادا کرے۔ (۲) خدا کی منع کی ہوئی باتوں پر صبر کرنا۔ یعنی اُن سے باز رہے۔ اگرچہ نفس اُنکی طرف کیسی ہی رغبت دلائے اور (۳) یہ کہ قضائے ایزدی سے جو بلائیں آئیں اُنکو جھیلے اور محنت و مشقت اٹھائے۔ مگر اس برداشت مصائب میں خدا سے امداد کا طالب رہے یعنی اُس سے بلاؤں کے جھیلنے کی قوت مانگتا رہے اور اس قسم کا صبر واجب ہی۔

فقر:- فقر یہ ہے کہ آدمی اپنی کسی ملک کو دیکھنے اور اُسکا خیال تک دل میں لانے سے کنارہ کشی اختیار کرے۔ بس خدا کے ساتھ مستغنی رہے۔ فقر کی نشانیاں بہت سی ہیں از انجملہ ایک نشانی یہ ہی کہ اگر کسی فقیر کے پاس ساری دنیا کی چیزیں ہوں بلکہ کل دنیا ہی اُس کے ہاتھ میں ہو اور وہ اُسے راہ خدا میں خرچ کر ڈالے پر اُس کے دل میں یہ خطرہ آئے کہ اگر اس میں سے اپنی ایک ہی دن کی غذا کو روک لیتا تو بھی وہ شخص اپنے فقر میں صادق نہو گا۔

فقیر آدمی کے لیے اپنے فقر میں کم سے کم یہ چار باتیں لازم ہیں۔

(۱) علم کا ہونا جو اُسے قاعدہ کا پابند رکھے۔

(۲) ورع جو اسکو کجروی سے روکے۔

(۳) یقین جو اُس کو ایثار اور اتفاق پر آمادہ رکھے

(۴) ذکر جو اُس کی تسکین دل کا باعث اور اُسکا مونس ہو۔

کسی فقیر کا فقر اسوقت تک ہرگز درست نہیں ہوسکتا جبتک کہ اُسے خود لینے سے دوسرے کو اپنی چیز دیدڈالنا زیادہ پسند نہو۔

فقیر کو آرام وراحت اُسی وقت ہوتی ہے جبکہ وہ اپنی ذات کے لیے بجز اُس وقت کے جس میں وہ ہے اور کوئی چیز نہ دیکھے یعنی اپنی قلبی کیفیت میں محو رہے اور دنیا کی کسی بات کا خیال اُسے بالکل نہو۔

صوفیاے کرام فرماتے ہیں :- فقر کے کئی درجے ہیں - اسکا پہلا درجہ یہ ہے کہ فقیر اپنے فقر کا خیال کرنے سے کنارہ کش ہو - دوسرا درجہ فقر کا یہ ہے کہ فقیر اپنے اعمال احوال اور مقامات کو دیکھنے سے بھی دور بھاگے - اور تیسرا درجہ فقر کا یہ ہے کہ فقیر اپنے آپ کو فقر اور اسکے لوازمات سے بری ہونیوالا بھی نہ سمجھے - یعنی اپنی بابت کسی قسم کا خیال تک دل میں نہ لائے اور کبھی نہ سمجھے کہ وہ بھی کچھ ہے۔

اگلے وقتوں کے فقرا فقر کے درجوں میں ایک دوسرے سے کم وبیش اور متفاوت تھے - ان میں سے بعض کی یہ حالت تھی کہ نہ اپنے بھائی بندوں سے کچھ لینا قبول کرتے تھے اور نہ بادشاہ وقت سے کچھ لیا کرتے تھے بلکہ اپنے ہاتھ سے محنت کرکے کماتے اور کھاتے کھلاتے تھے اور کسی کا یہ شیوہ تھا کہ بھائی بندوں اور بادشاہ وقت سے اور سب سے جو کچھ ملتا اُسے قبول کرکے - جو کچھ بھائیوں سے لیا ہوتا وہ اُن لوگوں پر خرچ کرتا جو اپنے احتیاج کو پوشیدہ رکھتے تھے یا جو بیکار اور عاجز تھے اور جو کچھ سلطان سے لیا ہوتا اُس کو مسکینوں پر خرچ کیا کرتا تھا۔

بعض فقیر صرف بھائیوں سے لینا قبول کرتے تھے اور سلطان کا عطیہ ہرگز نہیں لیتے تھے - انکا دستور تھا کہ جو کچھ بھائیوں سے لیتے اُسکا عمدہ بدلہ دیتے تھے - اور بعض کی یہ حالت تھی کہ وہ محض بادشاہ کا عطیہ لیا کرتے تھے اور بھائیوں سے کچھ نہیں لیتے تھے

یہ لوگ کہتے تھے کہ بادشاہ دیتا ہی تو احسان نہیں رکھتا۔ مگر بھائی بند دیکر احسان جتاتے ہیں"
اور سُنّت یہ ہی کہ جو کچھ فقیر کو بلا سوال و طلب اور بغیر انتظار نفس کے ملجائے یا اُسکے پاس
آجائے اُسے کبھی واپس نہ کرے کیونکہ وہ اُسی کا رزق ہی جو خدا نے اُسکے پاس پہنچایا ہی
ہاں سوال کے ذریعے سے جو آمدنی ہو وہ بُری ہی۔
اور سوال صرف اسی کا نام نہیں ہی کہ لوگوں سے مانگا جائے بلکہ جس طرح زبان
سے سوال ہوتا ہی اُسی طرح سوال کی حالت بھی بنائی جاسکتی ہے اور زبان حال سے سوال
کرنا ممکن ہے۔ چنانچہ جو شخص خرقہ پوش ہوکر کسی خانقاہ یا مسجد میں بٹھیہ رہے وہ بھی سائل ہی
ہی۔
فقر میں خدا کے ساتھہ استغنا کرنا واجب ہی۔ جو شخص مستغنی باللہ نہو گا خدا اُسے خلق
کا حاجتمند کردیگا اور جسکو خدا کے ساتھہ استغنا ہو گا خدا خلق کو اُسکا محتاج بنا ئیگا اسی لیے
اگر فقیر کو اور آدمیوں سے کوئی ضرورت آپڑے تو اُسے لازم ہی کہ پہلے اپنی حاجت خدائے
پاک کے حضور میں پیش کرے۔ اب اگر خداوند کریم وہ حاجت اور لوگوں سے پوری
کرادے تو خدا اور اُن بندوں دونوں کا شکریہ ادا کرے اور اگر خدا اُس کی حاجت کو منع
کردے اور پورا ہونے سے روک دے تو کسی آدمی کی بُرائی نہ کرے۔ بہرحال فقیر کو
خدا کے سوا اور کسی سے کچھہ سوال نکرنا چاہئے اس بات سے سخت پرہیز واجب ہے۔
قناعت :۔ قناعت اُسکو کہتے ہیں کہ نفس انسانی اپنے رزق مقسوم پر راضی رہے
اور زیادہ طلبی نکرے۔ ایک قول یہ ہی کہ قناعت موجود پر اکتفا کرنے اور جو نہو اُسکے
لالچ سے خالی ہونیکا نام ہی۔
سب سے زیادہ قانع آدمی وہ شخص ہوگا جو دوسرے آدمیوں کی بہت زیادہ امداد کرتا
ہو اور ان سے بہت کم کوئی مدد لیتا ہو۔
ابو سلیمان دارانی کا قول ہی :۔ قناعت رضا کے ساتھہ وہی قربت و منزلت

رکھتی ہے جو قرب و منزلت کہ ورع کو زہد کے ساتھہ ہے اگر قناعت رضا کا دیباچہ اور اُسکا آغاز ہے تو ورَع زہد کا سر آغاز ہے۔

توکّل :۔ خدا پر سچا بھروسہ کرنے اور آدمیوں کی مدد کی طرف سے مایوس ہو جانیکا نام توکّل ہے۔ توکّل کا محل ہے قلب۔ اسلیے اس بات کو معلوم کر لینے کے بعد کہ تقدیر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے متوکل کے لیے بظاہر حرکت کرنا توکّل کے کچھہ بھی منافی نہین۔ بس وہ اپنی طرف سے کوشش کرے اور دشواری پیش آئے تو اُس کو منجانب اللہ سمجھے اور آسانی حاصل ہو تو اُسے خدا کی عنایت کا کرشمہ جانے۔ بہر حال ہر چند کہ بندہ کو اُس بات کی سخت ضرورت ہے لیکن متوکل کو کبھی اسباب کی طرف توجہ نکرنا چاہیے۔ وہ سکون الی الحق کی حقیقت سے کبھی نہ ٹلے اور جبکہ اُس کو اس حقیقت پر وقوف بھی ہو۔

توکل کا ابتدائی درجہ باری تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرنا ہے اسکے بعد تسلیم کا مرتبہ ہے۔ اور سب سے آخر میں تفویض کا درجہ ہے۔

متوکّل شخص کی شناخت یہ ہے کہ وہ کسی سے سوال نکرتا ہو۔ اور نہ کسی کے پیشکش کو رد کرے اور جو کچھہ آجائے اُسے اپنے پاس روک کر نہ کے۔

یقین :۔ توکل کے بارہ میں یقین ہی اصل شے ہے یقین اس بات کا نام ہے کہ آدمی احکام شریعت میں اور اس بات میں کہ روزی بہر حال ملیگی اور جزا کے وقوع میں۔ اور خدا تعالیٰ کے اُسکے احوال سے واقف ہونے میں کسی قسم کا شک نہ کرے یقین کا ثمرہ یہ ہے کہ آدمی کو مسرات کی طرف بالکل التفات نہیں رہجاتا وہ طلب میں اختصار سے کام لیتا ہے اور جو چیز ہاتھہ سے جاتی رہے اُسپر تاسف نہیں کرتا۔ راہ عبادت و طاعت پر قدم بڑہاتا ہے اور گناہ سے باز رہتا ہے۔ اور ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح کا بیحد خیال رکھتا ہے۔

یقین کی علامت یہ ہے کہ آدمی دوسرے آدمیوں سے بہت کم ملے جلے صحبت

و بزم آرائی سے گریزاں رہے اگر اُسے کوئی کچھ عطا کرے تو اُس کی مدح سرائی نہ کرے اور کوئی نہ دے تو اُس کی مذمت سے سروکار نہ رکھے۔

اور یقین الیقین کی علامت یہ ہے کہ انسان ہر شے میں خدا ہی پر نظر رکھے۔ ہر امر میں اُسی کی طرف رجوع لائے اور ہر حال میں خدا ہی سے مدد کا خواہاں رہے۔

شُکر:۔ شکر سے یہ مراد ہے کہ آدمی نیازمندانہ طور پر منعم کی نعمت کا اعتراف کرے اور یہ سمجھنا کہ خدا تعالیٰ ہی نے ادائے شکر کی توفیق دی ہے یہ بھی ایک قسم کا شکر اور بہت اچھا شکر ہے۔

انسان کو چاہیئے کہ دنیا کی نعمتوں کے بارہ میں اپنے سے کم درجہ کے آدمی کو دیکھے تاکہ اپنی حالت کے اس سے بہتر ہونے پر شکرگذار رہو اور دین کے بارہ میں اپنے سے بڑھکر آدمی کو دیکھنا مناسب ہے تاکہ اسکا سا ہونے کی خواہش میں نیک اعمال کو بسرگرمی تمام کیا کرے۔ اور اپنی تقصیروں کا تدارک کر سکے۔

انسان پر مصیبتوں کی حالت میں شکر خدا واجب ہوتا ہے۔ اسلیے کہ یہی نعمت کیا کم ہے جو اس کو موجودہ مصیبت سے بڑھکر مصیبت میں نہیں ڈالا گیا اور یہ کہ اسکے لیے گناہوں کی سزا دنیا ہی میں ملگئی اور آخرت پر نہیں ملتوی رہی اور اس بات کا بھی شکر واجب ہے کہ مصیبت ہے تو دنیا کی ہے دین کی مصیبت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں دنیا کی تکالیف اور مصائب کے برداشت کرنے پر ثواب ملنے کی بھی امید ہے اور مصیبتوں سے انسان کے قلب میں دنیا کی محبت کم ہوتی ہے۔ غرضکہ بلاشبہہ یہ سب بڑی نعمتیں ہیں اور اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو اُن کو ہرگز گن نہ سکو گے۔ اسیلے خدا کی تمام نعمتوں پر شکر واجب ہے اور انسان کو بہرحال شکر ایزدی کرنا چاہیئے۔

زبان سے شکر ادا کرنا عاجزی اور بندگی کے طور پر اقرار نعمت ہے اور جس طرح زبان سے شکر ادا کیا جاتا ہے۔ اسی طور پر اعضا اور جوارح سے بھی شکر کا ادا کرنا

ممکن ہے۔ اعضا کی شکر گذاری یہ ہے کہ اُن کو خدائے برتر کی طاعت اور عبادت میں مصروف رکھا جائے اور قلب سے شکر ادا کرنے کے یہ معنی ہیں کہ نعمت ایزدی کی قدر کرے اور خدا تعالیٰ کے احسان کو پیش نہاد خاطر رکھے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ شکر کی صفت اور تعریف یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو نعمت کے بارہ میں محض طفیلی تصور کرے۔

رَضا: یہ توکل کی حد اور انتہا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ تقدیر پر بالکل اعتراض نہ کرے۔

رضا کی شناخت یہ ہے کہ آدمی قضاء الٰہی کے قبل ہی اختیار کو ترک کر دے۔ اور نفاذ حکم ایزدی کے بعد اُس کی کچھ بھی تلخی محسوس نہ کرے اور بلاؤں کے ہجوم پر اُس کو خدا کی محبت کا اور جوش بڑھے۔

حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جس شخص نے اس بات پر بھروسہ کر لیا کہ خدائے پاک اُس کے لیے جو کچھ پسند فرمائیگا وہی بہتر ہے وہ شخص خوشنودی خدا کے سوا اپنے لیے اور کسی شے کی تمنا ہی نہ کریگا۔

رضا زہد سے افضل ہے۔ اسلیے کہ راضی برضا شخص اپنے مرتبہ اور منزلت سے بالا تر رتبہ کی کوئی تمنا نہیں کیا کرتا۔ اسیوجہ سے صوفیائے کرام نے فرمایا ہے "اگر خدائے پاک کسی بندہ کو ایک سبب یا حال۔ یا مقام میں اقامت عطا فرمائے تو اُسے چاہیے کہ اس مقام سے نکلکر دوسرے مقام میں جانے کی خواہش نہ کرے خواہ وہ مقام اُس کے مقام سے کم درجے کا ہو یا بلند رتبے کا۔ اور نہ اپنے مقام ہی میں قائم رہنے کی کوئی رغبت ظاہر کرے۔ اپنے تئیں بالکل مرضی الٰہی پر چھوڑ دے۔ یہانتک کہ خدا ہی اُسے اُس مقام سے نکالے

اور کسی بندہ کے کسی مقام میں ٹھہرائے جانے کی یہ شناخت ہے کہ اُسپر

اس مقام کے واجبات ادا کرنے، آداب ملحوظ رکھنے اور اُس سے نفع اٹھانے کے نتائج مترتب ہونگے اور وہ اُسی کے ساتھ عبادت الٰہی میں ہمیشہ قائم رہیگا اور حضور دل کیساتھ طاعت میں منہمک ہوگا۔

پہر اس بات کی علامت کہ خدا ایک بندہ کو کسی مقام سے نکالتا ہے یہ ہے کہ اُس کے شیخ کی طرف سے کوئی صاف صاف اشارہ ہوگا یا ہاتف غیبی من جانب اللہ صراحتاً اُسے آگاہ کریگا۔

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:- فقط اذن ہوتے ہی فوراً اسی پر اکتفا نہ کرلینا چاہیے بلکہ اتنا توقف کیا جائے کہ دوبارہ پہر الہام ہو اور وہ موکّد ہوجاے۔ یا کوئی اس قسم کی علامت نمایاں ہو جو اولیاء اللہ کے لیے ظاہر ہوا کرتی ہے۔ یا یہ کہ حکم ایزدی بغیر تیرے اختیار کے بجبر اپنا عمل کرے۔

اور اس بات کو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ جس بات کو شرع نے پسند کیا ہے وہ بات خدا کی پسندیدہ ہے اُسکے بارہ میں آدمی کو کسی اشارہ کی حاجت نہیں ہونی چاہیے ہاں مباح امر میں غیبی اشارہ کی ضرورت ہے اور اُسکا منتظر رہنا لازم ہے۔

حسن خلق:- خوش اخلاقی تصوّف کا جزاعظم ہے اور خاصہ لازمہ اور حسن خلق اس بات کا نام ہے کہ آدمی ہنس مکھ رہے۔ کسی کو اس سے ایذا نہ پہنچے اور ہاتھ کا سخی ہو۔

اور حسن خلق کی علامت یہ ہے کہ بندہ معرفت الٰہی کی شدت سے ایسا مرنجان ومرنج ہوجائے کہ نہ اس کو کسی سے خصومت ہو اور نہ کوئی اُسکا معاند ہو۔

جود اور سخا:- جو شخص اپنے مال کا کچہہ حصہ آسانی کے ساتھہ خدا کی راہ میں دے اور کچہہ حصہ اپنی ضرورتوں کے لیے رہنے دے وہ سخی ہے۔ اور جو شخص اپنے مال کا اکثر حصہ آسانی کے ساتھہ دوسروں کو دیدے اور تہوڑا سا اپنے واسطے رہنے دے وہ جواد ہے لیکن جو آدمی خود مصیبت وتکلیف برداشت کرے اور اپنا تمام مال

راہ مولا میں دے ڈالے وہ موثر ہے۔

اسماء بن خارجہ فرماتے ہیں :"مجھے یہ ہرگز پسند نہیں کہ کوئی شخص مجھ سے کچھ سوال کرے اور میں اُسکو محروم پھیر دوں کیونکہ اگر وہ عزت دار اور صاحب آبرو ہے تو میں اُس کی حاجت برآری کر کے اُس کی آبرو کو تلف ہونے سے بچاتا ہوں اور اگر لئیم بد طینت ہے تو بھی اُس کی حاجت روائی کر کر اپنی آبرو بچا لیتا ہوں"

انسان کو چاہیے کہ سب سے پہلے جو کچھ اُس کے پاس ہو خود اپنی ذات پر خرچ کرے اس کے بعد باقی ماندہ میں سے پہلے بال بچوں کو دے اور اس سے بھی پس انداز ہو تو اپنے نزدیک کے رشتہ داروں کو دے اور اس سے بھی زیادہ خدا نے دیا ہو تو عزیز قریبوں کے بعد پڑوسیوں سے مسلوک ہو اور سب سے آخر میں محتاجوں کی اعانت کرے۔

فُتُوَّة :- فتوت اسباب کا نام ہے کہ آدمی ہمیشہ دوسروں کی حاجت برآری کی کوشش میں لگا رہے۔ کسی کو اذیت نہ دے اور جو کچھ اسکے پاس ہو اُس سے دوسروں کی مدد کرتا رہے۔ دوستوں کی عیب پوشی کرے۔ نفس کی خواہشوں کے خلاف رہے۔ تمام مخلوق میں اپنے آپ کو کسی سے بڑھکر نہ سمجھے چنانچہ اس طرح رہے کہ نہ کسی فقیر کو اُس سے نفرت ہو اور نہ وہ کسی غنی سے روگردانی کرے۔

خشوع اور تواضع :- خشوع حق کے انقیاد کا نام ہے۔ خشوع کا محل قلب ہے جس بندہ کا قلب خاشع ہوگا شیطان اسکے پاس نہ پھٹک سکیگا۔ خاشع کی شناخت یہ ہے کہ اگر اُسکو غصہ لایا جائے یا اس کی مخالفت کی جائے یا اس کی بات کو رد کر دیا جائے تو وہ ان سب باتوں کو خوشی کے ساتھ انگیز کر لے اور ان سے کبیدہ خاطر نہ ہو۔

اور تواضع حق کے لیے خضوع کا نام ہے۔ متواضع آدمی اپنی ذات کی کوئی قدر و قیمت نہیں سمجھتا اور نہ قدر کا خواہاں ہوتا ہے۔ منکسر مزاج اتنا ہو کہ تمام دنیا کے لوگوں

سے عاجزانہ ملے سب سے محبت اور خاکساری کیساتھ پیش آئے اور یہی خیال کرے کہ دنیا میں اس سے بُرا کوئی نہیں نہ اسکا ساکوئی بے مصرف اور ناکارہ ہے جس کی کسی کو کچھ حاجت نہیں کیونکہ وہ کسی کے کام نہیں آسکتا۔

ابن مبارک رح فرماتے ہیں :- مالداروں پر تکبر کرنا اور فقیروں سے خاکساری برتنا تواضع ہے۔

تواضع کی شناخت یہ ہے کہ بندہ اپنی ذات کے لیے کوئی حال اور مقام یا کسی قسم کی بلندی کسی پر نہ جانے۔ اور تواضع تکبر کی ضد ہے۔ تکبر کے بہت سے نشان ہیں۔ از انجملہ مجلسوں میں اونچی جگہ بیٹھنا ہے، اور ہم چشموں پر پیش دستی چاہنا لوگوں کو حقارت کی نظر سے اور گوشہ چشم سے دیکھنا۔ گردن کو کج رکھنا اور غرور سے سر کو نیچا رکھنا مجلسوں میں بلا ضرورت تکیہ لگا کر بیٹھنا۔ اس بات کو پسند کرنا کہ خود بیٹھا رہے اور لوگ اُس کے سامنے کھڑے ہوں۔ یا یہ کہ اُسے اٹھکر تعظیم دیں۔ بلا ضرورت اپنے پیادہ ساتھوں میں سوار ہو کر چلنا۔ جب نکلنا تو اس طرح کہ ایک خادم یا ماتحت پیچھے چلتا ہو۔ گھر کے کام کاج کو عیب سمجھکر نہ کرنا۔ بازار سے اپنا سودا لانے میں حقارت سمجھنا یا اپنا سامان خود اٹھانے کو حقیر جاننا۔ اگر کسی نے اُس کی خدمت میں کمی کی ہو یا اُسکو ایذا دی ہو اُس پر سخت برہم ہونا۔ بُری یا خراب اور کم قیمت پوشاک کو چھوڑ دینا۔ اس خیال سے نہیں کہ اس میں صفائی کم ہے یا اچھی پوشاک پہنکر اپنے اوپر خدا کی نعمت کا اظہار مقصود ہے بلکہ اُس میں اپنی حقارت خیال کر کے اُسے چھوڑتا ہے۔ اور اس بات کی علامت یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے بن ٹھن کر آنا چاہے اور تنہائی میں اُس کی کچھ پروا نکرے۔ جیسا لباس ہو ویسا ہی پہنے بیٹھا رہے۔ اگر کوئی شخص متکبر آدمی کو سلام نکرے تو اسے غصہ آتا ہے کہ اس نے کیوں خود سلام نہیں کیا اور متکبر شخص ہمیشہ اس بات کی سخت کوشش کیا کرتا ہے کہ وہ مناظرہ میں اپنے خصم اور حریف پر غالب ہی آئے۔

تواضع میں حد سے بڑھ جانا ہی بُرا ہے۔ مثلاً ایک عالم آدمی کسی جاہل اور عامی شخص سے اتنی خاکساری کرے کہ اُسکے پیچھے چلنے کو تواضع سمجھے۔ حالانکہ اُسکے لیے عالم کی طرف سے اتنی ہی تواضع کافی ہے کہ اُسے حقیر و ذلیل نہ سمجھے۔ اُسکے ساتھ خندہ پیشانی سے باتیں کرے، اسپر مہربانی ظاہر کرے اور اُس کی دعوت کو قبول کرلے۔ اور اگر اُسکی کوئی ضرورت ہو تو اُسے پورا کرنے کی کوشش کرے۔

حُزن - یہ ایک قسم کی گرفتگی ہے جو قلب پر وارد ہوتی ہے اور اُسکا سبب یا یہ ہوتا ہے کہ کوئی محبوب شے ہاتھ سے جاتی رہے اور یا یہ کہ کسی رنج وہ چیز کے آنے کی توقع ہو۔ جب حزن ہوا کرتی ہے۔

حُزن سلوک (راہ طریقت) کے اوصاف میں سے ہے اور قابل تعریف اور اچھا حزن آخرت کا حزن ہے۔ دنیا کا حزن کبھی پسندیدہ نہیں ہوتا۔ مگر ابا عثمان کا قول ہے کہ حُزن ہر صورت میں فضیلت اور مومنین کے لیے مرتبہ کی زیادتی کا سبب ہے بشرطیکہ وہ کسی معصیت کی وجہ سے نہو۔ کیونکہ اگر حزن کسی تخصیص کا موجب نہو گا تو تمحیص کا بھی موجب نہیں ہوتا۔

بعض سَلَف کے بزرگوں کا قول ہے کہ مومن آدمی اپنے نامۂ اعمال میں جو اکثر نیکیاں پاتا ہے وہ رنج و غم ہوتے ہیں۔

اور فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں:- تمام چیزوں پر زکوۃ واجب ہے اور عقل کی زکوۃ کثرت حزن ہے۔

خوف :- خوف اس بات کا نام ہے کہ بندہ دنیا اور آخرت دونوں جہان میں خدا کے عذاب سے ڈرتا اور کانپتا رہے۔

خوف کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل رہبت اور دوم خشیۃ جس کو رہبۃ کا درجہ خوف میں حاصل ہوگا وہ خوف کی حالت میں صرف فرار سے سروکار رکھیگا اور صاحب خشیت کو خوف

لاحق ہوگا تو وہ خدا سے بھاگنے کے بجائے خود خدا ہی کی پناہ میں جائیگا۔

خوف کی علامت امیدواری کی کمی ہے اور سکون اور ظاہر و باطن دونوں میں مراقبہ کا دوام یعنی ہمیشگی مراقبہ۔

ابو سلیمان دارانی رح فرماتے ہیں "قلب کے لیے مناسب یہی ہے کہ اسپر صرف خوف غالب رہے کیونکہ اگر اُسپر رجار کا غلبہ ہوگا تو وہ فاسد ہو جائیگا"

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔ مومن کا قلب اسوقت تک کبھی مطمئن نہیں ہوتا اور اُس کی گھبراہٹ اسوقت تک سکون سے نہیں بدلتی جب تک کہ وہ دوزخ کو اپنے پس پشت نہ چھوڑ جائے"۔ یعنی دوزخ سے گذر نہ جائے۔

رجار :۔ رجار یعنی امید اس بات کا نام ہے کہ دل کو کسی آئندہ حاصل ہونیوالے محبوب سے تعلق رہے۔ خدا سے حسن ظن رکھنا منجملہ رجار کے ہے۔ رجار کی تکمیل اُسوقت تک نہیں ہوتی جبتک کہ بندہ طاعت گذاری میں پورا نہ اُترے۔ جو شخص کہ گناہوں میں لت پت رہکر یہ کہا کرتا ہے کہ اُسے خدا سے مغفرت کی امید ہے وہ دہوکے میں پڑا ہے۔ رجار کی علامت یہ ہے کہ آدمی کو نیک اعمال کے بارگاہ الہی میں قبول کیئے جانے کی توقع رہے اور وہ اسبات کا امیدوار ہو کہ پروردگار عالم اُس کی توبہ کو منظور فرما کر اُسے اپنی بخشش سے سرفراز کریگا۔

مُراقبہ :۔ ہمیشہ خدا پر نظر رکھنا اور اُسکے افعال و احکام کا منتظر رہنا مُراقبہ کہلاتا ہے۔ پورا مراقبہ اُسوقت حاصل ہوتا ہے جبکہ بندہ ہمیشہ یہ نہ جاننے لگے کہ خدائے پاک اُسکو دیکھتا اور اُسکی حرکات و سکنات پر مطلع رہتا ہے۔ انسان مراقبہ کے اُس مرتبہ پر اسیوقت پُہنچتا ہے جبکہ وہ پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہنے کی کڑی منزل سے گذر جائے جو بندہ اپنے دلی خیالات پر بھی خدائے پاک کو نگراں جانیگا اللہ پاک اس بندہ کے اعضاء کو گناہوں سے محفوظ رکھیگا اور اُسے معصوم صفت بنا دیگا یعنی پھر اس بندہ سے کسی گناہ کا ارتکاب ہی نہو سکیگا۔ اور یہ سب مراقبہ کی برکت ہوگی۔ اسیلئے مراقبہ ہی تمام نیکیوں کی بنیاد ہے۔

اور بقول ذو النون مصریؒ مراقبہ کی علامت حسب ذیل ہے۔

جس چیز کو خدا نے اچھا کہا ہے اُس کو اچھا سمجھنا جس کو خدا نے عظمت دی ہے اُسکی تعظیم کرنا اور جسے خدا نے حقیر اور کم رتبہ کیا ہے اُسکو ذلیل ماننا مراقبہ کی صحیح ہونے کی علامت ہے اور بندہ کو یہ بات اُسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جبکہ وہ اپنے تمام کاموں اور حرکات و سکنات کے بارہ میں اس بات کو محسوس کرتا رہے کہ خدائے پاک اُسپر لوری نظر رکھتا ہے چنانچہ حدیث صحیح الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک ”میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ذکرُ ۔ راہ سلوک میں ذکر ایک قوی رکن ہے بلکہ طریقت میں اصل شئے یہی ہے اور بغیر اسکے وصول الی اللہ کبھی ممکن ہی نہیں۔

ذکر کی دو قسمیں ہیں ۔ ذکر لسان اور ذکر قلب ۔ قلب کا ذکر نہایت مؤثر ہے اور ذکر لسان سے افضل کیونکہ وہ ریا اور غفلت سے بہت دور ہے۔ مگر بندہ کے لیے کامل تر ذکر یہ ہے کہ خدا کو زبان اور قلب دونوں سے یاد کرے اور ذکر الٰہی سے محض اُسکا حضور اپنا مقصد رکھے۔

واسطیؒ کا قول ہے :۔ ”ذکر غفلت کے میدان سے مرغزار مشاہدہ میں جانے کا نام ہے بحالیکہ بندہ پر ذکر کے وقت خوف کا غلبہ اور محبت کا جوش طاری ہو“

اور ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں :۔ ذکر اس بات کا نام ہے کہ ذاکر کو ذکر سے بھی غیبت ہو جائے۔

نووی رح کہتے ہیں۔ ہر شے کے لیے ایک سزا ہے اور عارف باللہ کی سزا یہ ہے کہ وہ ذکر سے منقطع ہو جائے۔

ایک اور قول ہے :۔ خدا کو قلب سے یاد کرنا مریدان راہ الٰہی کی تلوار ہے۔ وہ دشمنان خدا سے اسی تلوار کے ساتھ لڑتے ہیں اور اسی سے ان آفات کو دفع کرتے

ہیں جو اُن پر آنے کو ہوں"

جب بندہ پر بلا آتی ہے اگر وہ اسوقت دل سے خدائے پاک و برتر کی طرف بھاگے تو وہ بلا فوراً اُس کی طرف سے ٹل جاتی ہے اور کوئی بُری بات اُسے پیش نہیں آتی۔

اور ذکر کی ابتدا فکر ہے۔ ذاکر کے لیے توجہ قلبی کی قوت بھی لازمی ہے اور خدائے پاک کی طرف رجوع اور رُخ کرنا ضروری۔

طریقت کے رستوں کے اکثر مشائخ ذاکر کو سب سے پہلے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر تلقین فرماتے ہیں۔ مگر سادات نقشبندیہ سب سے اول لفظ "اللّٰہ" سے ذکر کی ابتدا کرتے ہیں کیونکہ ایک قول کے مطابق اسم اعظم یہی ہے اسم اعظم کے بارہ میں مختلف اقوال ہیں ایک قول ہے کہ "اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ" اسم اعظم ہے۔

دوسرا قول ہے کہ:۔ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ اسم اعظم ہے۔

ایک اور قول یہ ہے کہ اسم اعظم دو اسموں کا مجموعہ ہے ان میں سے ایک اسم جامع الکمالات ہے اور وہ "اللّٰہ" کا اسم ہے اور دوسرا وہ اسم ہے جس پر عجیب آثار کا ترتب ہوا کرتا ہے اور اُسکو حدیث نے گول کر دیا ہے"

بعض مشائخ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس مجمل اسم کو تلاش کیا اور بڑی سخت محنتیں کیں۔ مجاہدات شاقہ کیے۔ یہانتک کہ ذکر انکے تمام اعضا میں سرایت کر گیا اور قلب پر باب مشاہدہ وا ہوا۔ اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ کبھی وہ سکر کی حالت میں خود فراموش و مدہوش ہو گئے۔ اور گاہے صحو کے افاقہ میں آئے چنانچہ بعض عارف باللہ بزرگوں نے ان کو بتایا کہ یہ احوال اسم اعظم کی تاثیر سے ہوتے ہیں۔ اور اسم اعظم ایک سِرّ باطنی ہے"

مگر ذکر اور مجاہدہ اسوقت تک کوئی فائدہ نہیں دیتا جبتک کہ وہ کسی خدارسیدہ شیخ سے اخذ نہ کیا جائے۔

اذکار میں سب سے عمدہ ذکر "لا الٰہ الا اللہ" ہے کیونکہ یہ قلب سے غیر کی نفی اور قلب میں حق کا اثبات کرتا ہے۔ جسکے ساتھ واسطہ یعنی شیخ مربی کا ملاحظہ بھی شریک ہوتا ہے۔

اور بعض بزرگ اسم ذات کے ذکر کو لطائف خمسہ یعنی لطیفہ قلب، لطیفہ سر، لطیفہ روح، لطیفہ خفی، اور لطیفہ اخفی سب پر جاری کرتے ہیں اور اسکے بعد اسے اپنے تمام جسم پر جاری کیا کرتے ہیں یہانتک کہ انکے تمام بدن کے حصوں میں ذکر کا جریان ہو جاتا ہے اور اُنپر ذکر کے غلبہ کا انکشاف ہونے لگتا ہے۔ پھر بعد ازاں حقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ سالک کے لیے تین مقام ہیں۔ پہلا مقام ظاہری فنا ہے جس کو فنا فی الشیخ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دوسرا مقام فناء باطن ہے اور اُس کو فناء فی الرسول کہا جاتا ہے اُس کی یہ صورت ہے کہ مرید کے باطن پر اسکے شیخ کی صورت میں جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوتا ہے اور اس مقام میں اس کو وحدت میں اپنی حقیقت نظر آنے لگتی ہے پھر اگر وہ اپنے وجود کو بالکل فنا کر دے اور اُس کے تمام اوصاف بشریہ نابود ہو جاویں۔ یہانتک کہ اس فنا کا علم بھی مٹ جاے اور سالک کو خدا کے سوا کسی چیز کا وجود ہی نظر نہ آئے تو یہ فنا فی اللہ کا مقام ہے اور اب اُس کو علم لدنی بخشا جاتا اور اوصاف الہیہ کا خلعت کرامت ہوتا ہے اور اُسے ہستی صرف واحد احد ہی کی ہستی نظر آتی ہے۔ اس وقت بندہ بقا باللہ کا رتبہ پاتا اور اُسپر فائز ہوتا ہے مقامات کا بیان اس رسالہ کے آخر میں آئیگا۔

دُعاء - بندہ اپنی حاجتوں کو رافع الدرجات (خدا) ہی کے حضور میں پیش کرے تو اس کو دعا کہتے ہیں۔ اس بارہ میں اختلاف ہے کہ دعا کرنا افضل ہے یا خاموشی اور سکوت سے کام لینا بہتر ہے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ دعا افضل ہے۔ کیونکہ وہ خود بنفسہ ایک عبادت ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ اسلئے جو امر عبادت ہے اُس کو کرنا بہتر ہے اُسکے چھوڑنے سے۔

اور یہ بات بھی ہے کہ دعا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا حق ہے۔ بندہ کو یہ حق ادا کرنا چاہئیے۔ اگر بندہ کی دعا مستجاب نہو اور بندہ اپنے دلی مطلب کو نہ پہنچے تو بھی وہ اپنے پروردگار کا حق ادا کردیگا۔ کیونکہ دعا کیا ہے؟ بندہ ہونے کی فروتنی کا اظہار ہے۔

ابو حازم اعرج کہتے ہیں۔" اگر میں دعا سے محروم کردیا جاؤں تو یہ مجھپر اس سے زیادہ گراں ہے کہ میں اجابت یعنی دعا کی مقبولیت سے محروم کیا جاؤں"۔

مگر ایک گروہ صوفیہ کا قول یہ ہے کہ:۔ حکم ایزدی کے جاری ہونے کے ماتحت رہ کر سکوت اور گمنامی سے کام لینا زیادہ اچھا ہے اور جو کچھہ پہلے حکم ہوگیا اُسپر راضی رہنا ہی اولیٰ ہے۔

اور ایک گروہ کہتا ہے کہ:۔ بندہ کو زبان سے دعا کرنا چاہئیے اور قلب سے مرضیٔ الٰہی پر راضی رہنا ضروری ہے تاکہ دونوں باتیں پوری کردے:۔ مگر بہتر بات یہ ہے کہ بندہ اپنے وقت کی حالت کا خیال رکھے یعنی اگر اس کو دعا کرنے سے اپنے وقت میں بسط کی زیادتی محسوس ہو تو اسکے لئے دعا اولیٰ ہے اور اگر دعا کے وقت اسکے قلب میں زجر یا قبض کی کیفیت آئے تو بہتر یہ ہے کہ اسوقت دعا کو ترک کرے۔ ہاں اگر یہ حالت ہے کہ نہ قلب میں بسط کی کوئی زیادتی پاتا ہے اور نہ کسی قسم کا زجر حاصل ہوتا ہے تو ایسے موقع پر دعا کرنا اور نکرنا دونوں برابر ہیں۔ اگر ایسے وقت میں بندہ پر علم کا غلبہ ہو تو اسکے لیے دعا اولیٰ ہے اسلیے کہ دعا عبادت ہے اور عبادت بندگی کی شرط ہے اور اگر اسوقت معرفت اور حال کا غلبہ ہو تو سکوت بہتر ہے۔

اور یوں کہنا بھی ٹھیک ہوسکتا ہے کہ جس امر میں مسلمانوں کا کوئی بھلا ہو یا حق سبحانہ و تعالیٰ کا کچھہ حق ہو اس میں دعا کرنا بہتر ہے اور جس بات میں صرف بندہ کا کچھہ حظ نفس

اسکے بارہ میں سکوت افضل اور اولیٰ ہے۔

بندہ کو مناسب ہے کہ دعا کی حالت میں اپنے پروردگار پاک کے شہود سے غافل نہو
اس کا آکلِ حلال ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
سعدؓ کو یوں مخاطب بنایا ہے اطب کسبک تستجب دعوتك یعنی تم اپنی کمائی
کرو تمہاری دعا مستجاب ہوگی اور اسلیے بھی کہ صفائی قلب کے معاملہ میں اکل
ال ایک نہایت اہم امر ہے۔

اور کہا جاتا ہے کہ دعا ایک کنجی ہے جسکے دندانے حلال کے لقمے ہیں۔
یا اکل حلال اجابت دعا کی ایک قوی شرط ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دعا کا فائدہ صرف یہ ہے کہ بندہ اپنی حاجت اور بے بسی کو
اسے پاک کے حضور میں ظاہر کر دیتا ہے۔ ورنہ ہوتا تو وہی ہے جو پروردگار چاہے۔
ایک قول یہ ہے کہ :- عام لوگوں کی دعا زبان سے ہوتی ہے اور زاہدوں
دعا افعال کے ذریعے سے ہوا کرتی ہے مگر خدا شناس بندوں کی دعا احوال
وسیلہ سے ہوتی ہے ''

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ :- سب سے اچھی دعا وہ ہے جو رنج و غم کے جوش سے
جاسے۔

سہیل بن عبداللہؒ کہتے ہیں :- ''جو دعا سب سے زیادہ اجابت سے قریب
تی ہے وہ دعاء حال ہے'' اور دعاء حال اُس کو کہتے ہیں کہ دعا کرنیوالا بے اختیار دعا
ے یعنی جس چیز کی دعا کرتا ہے وہ اسکے لیے اتنی ضروری ہو کہ اُس سے کوئی چارہ
ہے۔

بعض عارفین کا قول ہے جس پر دعا کے دروازے کھولے گئے اُسکے لیے سعادت
دروازے بھی کھول دیے گئے ہیں۔

دعا کی اجابت یعنی مقبولیت کئی قسم کی ہوتی ہے۔ یا اس شئے کو عطا کرنے سے جسکا سوال کیا جاتا ہے۔ یا بلا کو دفع کر کے۔ اور یا اجابت دعا کو روز قیامت کے لیے ذخیرہ کرنے سے اُس کی اجابت کی جاتی ہے۔ کیونکہ خداے پاک و برتر نے بندہ کو صرف قبولیت دعا کا وعدہ دیا ہے مگر یہ خدا کے اختیار میں ہے کہ جب وہ چاہے اسوقت بندہ کی آرزو پوری کرے۔ بندہ کی خواہش کے وقت ہی اُس کی مرضی اور دعا کے مطابق کر دینا کوئی شرط دعا کی نہیں ہے۔ بلکہ خدا جس طرح چاہے اور جب چاہے دعا کو قبول کرے اور یہ بھی اُسکا فضل و احسان ہے ورنہ بندہ کیا اور اُس کی دعا کیا۔

اخلاص - اخلاص اسبات کو کہتے ہیں کہ بندہ جو کچھ طاعت کرے وہ محض خداے پاک کی نزدیکی حاصل کرنے کے لیے کرے اسکے سوا اُسے کوئی آرزو نہو۔ یعنی نہ عوض کا طالب ہو اور نہ کوئی غرض یا مخلوق کو دکھانا مقصود ہو۔

ذوالنون مصری ؒ فرماتے ہیں۔ اخلاص جب ہی کامل ہوتا ہے کہ آدمی اس میں سچائی سے کام لے اور صبر کے ساتھ اُسپر جاری رہے اور صدق اسوقت پورا ہوتا ہے جبکہ اس میں اخلاص سے کام لیا جاے اور اُس کی مداومت کرے۔"

یہی بزرگ فرماتے ہیں :- "اخلاص کی علامتیں یہ ہیں کہ طالب حق کے نزدیک عام لوگوں کا اُسے اچھا یا بُرا کہنا برابر ہو جاے اور وہ عمل کرے تو اس بات کو بھول جاے کہ عمل کر رہا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ بات ہے کہ آخرت میں عمل کے ثواب کی خواہش بھی اُس کے دل سے جاتی رہے اور وہ اس خواہش کے مٹانے کو بھی فراموش کر بیٹھے۔"

اور ابو عثمان مغربی ؒ فرماتے ہیں اخلاص وہ ہے کہ اس میں نفس کو کچھ بھی حظ نہو یعنی کسی حالت میں نفس اس سے محفوظ نہو سکے اور یہ درجہ عوام کے اخلاص کا ہے۔ اب رہگیا خواص کا اخلاص تو وہ ایسی چیز ہے کہ خود بخود اُنپر جاری ہو۔ نہ یہ کہ بندہ

اپنی نیت سے کچھ کرے ایسے لوگوں سے طاعت گذاری ظاہر ہوتی ہو مگر در اصل وہ عبادت وطاعت سے بالکل کنارہ کش ہوتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں کبھی اسپر اس نظر سے نہیں دیکھتے کہ کچھ کر رہے ہیں۔ یا جو کچھ اُنھوں نے کیا وہ ذرا بھی قابل توجہ ہو۔

صدق :- صدق کے محل زبان قلب اور افعال ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے صدق کو ظاہر کرنے کے لیے ایک لفظ کا محتاج ہو جو اُسی کیساتھ خاص ہوتا ہے زبان کا صدق یہ ہو کہ جس شئے کی وہ خبر دے اُس کی خبر ٹھیک واقعہ کے مطابق ہو اور قلب کے صدق سے پختہ ارادہ اور اٹل عزم مراد ہے اور افعال کا صدق یہ ہے کہ انکو مستعدی اور پامروی کے ساتھ بجالائے۔ صادق اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے اقوال میں سچا ہو۔ مگر صدیق وہ ہو جو اپنے اقوال، افعال، احوال سب میں سچا اور پکا ہو۔ صدق کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ ظاہر و باطن دونوں یکساں ہوں اور صادق کی علامت اور پہچان یہ ہے کہ اگر اُسکے قلب کی صلاح کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اُس کی جو کچھ قدر و قیمت ہو وہ سب جاتی رہے تو بھی وہ اس بات کی پروا نہ کرے۔ اور اُس کو کبھی پسند نہو کہ لوگ اُسکے حسن عمل اور نیکوکاری سے ذرہ برابر بھی واقف ہو جائیں ہاں اگر اسکی بد اعمالیاں دنیا پر آشکارا ہو جائیں تو اس بات سے رنجیدہ اور کبیدہ نہو بلکہ خوش پایا جائے۔ کیونکہ اپنے عیبوں کے برملا ہو پڑنے کو برا جاننا اس بات کی دلیل ہے کہ بندہ دوسروں کی نگاہ میں بڑا اور ذی عزت بننے کا خواہاں ہے اور صادق بندہ کو حلاوت، ہیبت، اور ملاحت، کوئی حظ نہیں دیتی اس لئے آدمی کو صدق کا اختیار کرنا ضروری ہو۔ اگر کسی کو یہ خوف ہو کہ صدق لسے نقصان پہونچائیگا تو وہ غلطی پر ہے۔ ذرا صدق کو وہ برت کر دیکھے کہ وہ کیسا نفع دیتا ہو اور کذب کو چھوڑنا لازم ہے کیونکہ اس سے دیکھنے میں فائدہ معلوم ہوتا ہے وہ در اصل نقصان و زیاں ہے۔ اور صدیقین کی سب سے پہلی خیانت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس

سے گفتگو کریں۔ یعنی اسکی بات سنیں۔

حیاء:۔ ایک قسم کی تعظیم ہے جو انبساط سے روکتی ہے یعنی کسی کی بڑائی اور عظمت کے خیال سے آدمی شگفتہ اور بیباک نہیں رہ سکتا۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:۔ جو شخص خدا سے اتنی حیا کرے جتنا حیا کرنے کا حق ہے اسے لازم ہے کہ وہ اپنے سر کی حفاظت کرے اور اس چیز کی جو اس کے سر میں بھری ہے۔ اور پیٹ کی مع اس چیز کے حفاظت کرے جس پر پیٹ شامل ہے اور اسکو موت اور ہلاکت کا یاد کرنا واجب ہے۔ اور جسکو آخرۃ کا حاصل کرنا منظور ہو اسے دنیاوی زندگی کی آرائش چھوڑ دینا چاہئے چنانچہ جس شخص نے ایسا کیا بیشک اپنے خدا برتر سے جیسی حیا کرنی چاہئے ویسی حیا کی۔

اور حیادار کی شناخت یہ ہے کہ جس جگہ سے اسکو شرم آتی ہو وہاں نگاہ بھی نہ ڈالے اور خداوند کریم کے حضور میں دعویٰ کا ترک کر دینا بھی حیا میں داخل ہے۔

حیا کی کئی صورتیں ہیں ایک ارتکاب گناہ کی حیا ہے ۔حیا امر یا نہی میں خلل لانے سے پیدا ہوتی ہے جیسے آدم علیہ السلام پر اسوقت حیا غالب ہوئی تھی جب اُن سے خدائے پاک نے فرمایا "آدم! کیا تم ہم سے بھاگتے ہو" تو آدمؑ نے کہا۔ نہیں پروردگارا بلکہ میں آپ سے شرما کر روپوش ہوتا ہوں۔

دوسری صورت حیا کی وہ حیا ہے جو عبادت حق کو کامل طور پر بجا لانے میں کمی کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اسکو حیا تقصیر کہتے ہیں جیسے ملائکہ اپنی تقصیر سے شرما کر کہتے ہیں "بارخدایا! تو پاک ہے ہم نے ہرگز تیری عبادت ایسی نہیں کی جیسا کہ تیری عبادت کرنے کا حق ہے۔"

تیسری صورت حیا اجلال ہے جیسی کہ اسرافیلؑ کو ہے کہ انھوں نے خدائے پاک و برتر کی جلالت شان سے حیا کر کے اپنے دونوں پروں میں منہہ چھپا رکھا ہے۔

چوتھی صورت کرم اخلاق کی حیا ہے جیسی کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو

تھی۔ کہ آپ اپنے اصحاب کو اپنے ہاں کھانا کھلانے کے بعد اُن سے یہ کہتے ہوئے شرماتے تھے کہ بس اب جاؤ۔ اور اس شرم کی وجہ یہ تھی کہ آپ انکی دل شکنی کا خیال کرتے تھے۔ اس لئے جناب خداوند تعالے نے فرمایا و لا مستانسین لحدیث

پانچویں صورت حیاء حشمت ہے۔ یعنی کسی لحاظ یا کسی وجہ سے حیا آتی ہو۔ جیسے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بوجہ اسکے کہ آپ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے اور وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور باپ کی نہایت عزیزہ تھیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مذی کا مسئلہ دریافت کرنے میں شرم آئی اور مقداد بن اسود رضی کو بیچ میں سفیر بناکر انکے ذریعہ سے مذی نکلنے کا حکم دریافت کیا۔

چھٹے استحقار کی حیا ہے۔ یعنی کسی چیز کو اسقدر حقیر جاننا کہ اس کا ذکر کرتے شرم آئے جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خدائے پاک سے عرض کیا تھا کہ "پروردگار مجھے کچھ دنیا کی ضرورت پیش آئی ہے لیکن آپ سے عرض کرتے ہوئے شرماتا ہوں" اور خدائے پاک نے ارشاد کیا کہ تم ہر چیز مانگا کرو یہانتک کہ اپنے آٹے کا نمک اور اپنی بکری کا چارہ بھی۔

اور ساتویں صورت حیاء انعام ہے۔ یعنی کسی پر مہربانی اور کرم کرکے پھر اسکے اظہار سے شرمانا۔ اور یہ پاک و برتر خدا کی حیا ہے۔ کیونکہ اللہ پاک اپنے بندہ کو اسکے پل صراط سے عبور کرجانے کے بعد ایک سربمہر تحریر عطا کرے گا جس میں لکھا ہوگا "تونے جو کچھ کیا وہ کیا اور مجھکو حیا آتی ہے کہ اب اسے تجھپر ظاہر کروں۔ بس اب جا میں نے تجھے بخش دیا ہے"

اور جنید رح سے دریافت کیا گیا کہ حیا کیا چیز ہے؟ انھوں نے فرمایا۔ خدا کی نعمتوں کو دیکھنا اور پھر اپنی تقصیر پر نظر کرنا ان دونوں کے مابین ایک ایسی حالت پیدا ہوتی ہے کہ اسکو حیا کہتے ہیں چنانچہ جو بندہ اس بات کو دیکھیگا کہ وہ عبادت الٰہی میں کمی اور قصور کررہا ہے اور پھر اس بات کا خیال کرے گا کہ خدا کی نعمتیں کیسی پیہم اسپر مبذول ہیں

تو ضرور اسکو اپنی تقصیر کی وجہ سے شرم آئے گی۔

غیرۃ:۔ غیرت اس بات کا نام ہے کہ کسی اور کی اپنے حق میں شرکت بری معلوم ہو۔
قشیری رح کا قول ہے:۔ غیرت کی دو قسمیں ہیں (۱) خدا کی غیرت اپنے بندہ پر۔ اور اسکی یہ صورت ہے کہ خدائے پاک بندہ کو خلق کے حوالے کر کے انپر اسکے ذریعہ سے احسان نہیں رکھتا اور دوسری بندہ کی غیرت ہے خدا کے لئے۔ یعنی خدا کے بارہ میں۔ اور اسکی یہ صورت ہو کہ بندہ اپنے تمام احوال اور انفاس محض خدا ہی کے لئے مختص رکھے۔ خدا کے سوا کسی کو انمیں شریک نہ کرے اسی وجہ سے یہ کہنا صحیح نہیں کہ میں خدائے پاک پر غیرت کرتا ہوں۔ ہاں یہ کہنا چاہئے کہ خدا کے لئے مجھکو غیرت آتی ہو۔ اب واضح ہو گیا کہ خدائے تعالے پر غیرت کرنا جہل ہے اور ممکن ہے کہ اسکا نتیجہ ترک دین پیدا ہو۔ اور خدا کے لئے غیرت کرنے سے یہ بات لازم آتی ہے کہ آدمی اسکے حقوق کی تعظیم کرے اور صاف اور سچے دل سے تمام اعمال خدا ہی کے لئے کرے۔

یہ بھی واضح رہے کہ اولیاء اللہ یعنی وہ بندے جو خدا سے سچی محبت کرتے ہیں انکے معاملہ میں سنت اور عادت الٰہیہ یہ ہو کہ جہاں وہ لوگ غیر اللہ کی طرف ذرا بھی ملتفت ہوئے۔ یا غیر سے دل لگایا۔ یا اسکو دل میں اتنی بھی جگہ دی کہ محبت الٰہی میں کچھہ فرق آیا یا دل مشوش ہوا تو خدائے پاک کو اُنکی اس تشویش قلب پر غیرت آتی ہے اور وہ انکے قلوب سے غیر کے خیال اور محبت کو نکال کر اپنی الفت میں خالص کر لیتا ہو۔

جیسے کہ آدم علیہ السلام نے جب دل میں یہ خیال کیا کہ وہ ہمیشہ جنت میں ہی رہیں اور اس کی فکر انپر غالب آتے ہی خدائے پاک نے انکو جنت سے نکال باہر کیا۔ اور اس بات کو پسند نہ فرمایا کہ اسکے بندہ آدم ع کے دل میں اللہ کی محبت کیساتھہ جنت کی خواہش بھی جاگزیں رہی۔ اور جسوقت ابراہیم خلیل اللہ ع اپنے فرزند اسمٰعیل ع کی الفت میں گرویدہ ہوئے اور یہ بات محبت الٰہی کے منافی یا اس میں تشویش ڈالنے والی تھی تو فوراً ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ بیٹے کو میری راہ میں قربان کرو۔ اور یوں الفت فرزند کو ان کے دل سے نکال دیا۔ پھر جب ابراہیم علیہ السلام کا سر بالکل صاف

ہو گیا اسوقت اسمٰعیل علیہ السلام کی جان بچالی اور اُنکے عوض دنبہ کو قربان کرایا۔

دقاق رح کہتے ہیں:۔ اور بعض اولیا راللہ کی غیرت کا یہ حال ہے کہ جب وہ اور آدمیوں کو غفلت کے ساتھہ خدا کی یاد کرتے دیکھتے ہیں تو اُن سے یہ حال دیکھا ہی نہیں جا سکتا اور انکے دل پر سخت ناگوار گزرتا ہی۔

عبودیت:۔ عبودیت اور بندگی کے یہ معنے ہیں کہ انسان اپنے آپ کو بالکل اور ہر لحاظ سے خدا کے حوالے کر دے اور اپنا تمام بار مرضی الٰہی پر ڈالدے۔ عبودیت کے مراتب میں سب سے پہلا مرتبہ عبادت کا ہی۔ اور عبادت نام ہی طاعات کی بجا آوری کا۔ برائیوں سے بچنے کا اور بلاؤں پر صبر کرنے کا۔

ابو عمرو بن نجید کہتے ہیں:۔ کسی بندہ کا اسوقت تک عبودیت کی راہ میں قدم بھی نہیں ٹھہرتا جبتک کہ وہ خود اپنے نزدیک اپنے اعمال کو ریا اور اپنے احوال کو محض دعاوی نہ مشاہدہ کرے"

سہل بن عبداللہ رح فرماتے ہیں:۔ بندہ کا تعبد اسوقت تک صحیح نہیں ہوتا جبتک کہ اسکی یہ حیثیت نہ ہو جائے کہ مفلسی میں اسپر ناداری کا اثر نہو اور مال دنیا ہونے کی حالت میں اسپر غنا کا نشان نہ عیاں ہو سکے"

عبودیۃ بندہ کی ایک دائمی صفت ہی۔ وہ کسی دم اُس سے جدا نہیں ہو سکتی۔ عبودیۃ بندہ کے کمالات میں سبسے اشرف اور اسکے مقامات میں سب سے بلند ترین مقام ہی اور اس کے لئے اس سے زیادہ کامل وصف کوئی نہیں کہ وہ عبودیۃ کے ساتھہ متصف کیا جائے۔

حریت:۔ یعنی آزادی۔ اور اس سے یہ مراد ہے کہ انسان کسی مخلوق کا غلام اور اُسکے قبضۂ اقتدار میں نہ ہو اور اسپر مکونات کا غلبہ نہ ہو کامل اور بالکل فرد ہو۔ نہ اسے دنیا کا موجودہ لطف اپنا غلام بنائے اور نہ کسی خواہش نفسانی کا حاصل اُسے اپنے دام میں گرفتار کرے اسیطرح کسی آرزو کے آئندہ برآنے کی توقع اسکو فریفتہ نہ کرے اور کسی قسم کا سوال کوئی قصد اور آرزو یا حظ اسکے پیرامون خاطر نہ پھرے اور سونا اور مٹی دونوں اسکے نزدیک برابر ہوں۔

ابن منصورؒ کہتے ہیں: "جب بندہ تمام مقاماتِ عبودیت کو طے کر جاتا اور پوری طرح اُنپر حاوی ہو لیتا ہی اُس وقت وہ عبودیت کی محنت ہی سے آزاد ہو جاتا ہی- اب اُسے بلا کسی محنت و مشقت کے خود ہی عبودیت کا تمغہ ملجاتا ہے اور یہ مقام انبیاء اور صدیقین کا ہی- یعنی ایسے حال میں وہ محمول ہوتا ہی اور بجا آوری فرائض و واجبات میں اُسے کسی قسم کی تکلیف یا مشقت نہیں لاحق ہوتی- اگرچہ وہ شرعاً تکلیف کے زیور سے آراستہ ہوتا ہی-

ارادہ:- ارادہ اس بات کا نام ہی کہ قلب طلبِ حق میں اٹھے اور مستعدی دکھائے-

رقیؒ کہتے ہیں:- میںنے دقّاقؒ کو یہ کہتے سُنا ہی کہ ارادہ کی انتہائی حد یہ ہی کہ تم خدا کی جانب اشارہ بھی کرو تو اُسے اشارہ کے ساتھ پاؤ" میں نے دریافت کیا:- تو پھر ارادہ کی تمامیت کس شے سے ہوتی ہی؟ جواب ملا:- اسبات سے کہ تم بلا اشارہ کے ہی خدا کو پاجاؤ-

اور یوسف بن حسینؒ کا قول ہی کہ:- اگر تم مرید کو رخص اور کسب میں مشغول دیکھو تو جان لو کہ اس سے کچھ بھی نہو گا"

استقامت:- معہودات سے خروج، رسم و رواج کی پابندی چھوڑ دینے اور حقیقۃ صدق کے درجہ پہ خدا کے حضور میں قیام کرنے کا نام استقامت ہی- اُمور ظاہر و باطن کا تمام اور کمال استقامت ہی کے ذریعہ ہوتا ہی- اور اِسی استقامت کے وجود سے نیکیاں، اور آسائشیں حاصل ہوتی اور نظام پاتی ہیں- جو بندہ اپنی حالت میں مستقیم نہو گا اُسکی سعی رائگاں جائیگی اور اُسکی کوشش ناکام رہیگی- استقامت کا مقام کرامت سے بالا ہی- مستقیم بندوں کے تین درجے ہوتے ہیں- مبتدی- متوسط- منتہی- مبتدی وہ ہیں جنکے معاملہ میں کوئی سستی نہ شامل ہو- متوسط وہ ہیں کہ انکے

منازلِ راہ سلوک کو طے کرنے میں کسی قسم کا وقفہ اور درنگ نہ پڑے۔ اور منتہی وہ اہل استقامت ہیں جنکی حضوری اور قرب میں کوئی حجاب خلل انداز نہو +

فراست :۔ فراست دلوں کی باتوں پر آگاہ ہونے کا نام ہی۔ فراست اس خیال کو کہتے ہیں جو سب سے پہلے بندۂ مومن کے دل میں آئے اور اُس کا کوئی معارض خیال قلب میں نہ پایا جائے۔ لیکن اگر ایک خیال آیا اور اسی قسم کا دوسرا خیال اُس کا معارض بھی ہوا تو اُسکو "حدیثِ نفس" کہا جاتا ہی۔ اور اس سے بالاتر یہ ہی کہ بندہ نورِ الٰہی کے ذریعہ سے دیکھ سکے۔ جو بندہ حرام کو ترک کرے اور شہوتوں یعنی خواہشوں سے رُکا رہے، ہمیشہ مراقبہ کرتا ہو، پابند و متبع سنت ہوا ور اکلِ حلال رکھتا ہو اُسکی فراست کبھی خطا نہ کریگی۔

وِلایت :۔ ولایت اس بات کا نام ہی کہ بندہ نہایت پوری طرح اور کنج کاوی کے ساتھ تمام حقوق اللہ کو بجا لائے۔ اور ہر راحت و رنج میں خدائے پاک ہمیشہ اُس کا محافظ رہے۔

خزار رح کا قول ہی :۔ ولی وہ ہی جو فنا فی اللہ ہو کر شاہدۂ حق تعٰ میں باقی رہے۔ خدائے پاک نے اُسکی سیاست خود اپنے دستِ قدرت میں لے لی ہو اور اُسکے قلب پر انوار ایزدی ایسے ہم جلوہ ریز ہیں کہ اُسکو اپنے نفس کی کچھ خبر نہ رہے اور نہ ایکدم بلکہ لحہ و لحظہ کے لیے بھی غیر اللہ تعٰ کے ساتھ قرار ہو۔ اور جب ارادہ الٰہی میں آتا ہی کہ وہ کسی بندہ کو اپنا ولی بنائے تو اُسکے لیے اپنی یاد اور ذکر کے دروازے کھول دیتا ہی۔ اور جب بندہ کو ذکر میں لذت ملنے لگتی ہی تو پھر اُس پر قرب الٰہی کے دروازے مفتوح ہوتے ہیں۔ اسکے بعد پروردگارِ عالم اس بندہ کو اپنی مجالس اُنس میں داخل فرماتا اور اُسکا رتبہ بڑھاتا جاتا ہی۔ یہاں تک کہ بالآخر اُسے توحید کی کرسی پر بٹھا کر پردوں کو اُسکے سامنے سے اٹھا دیتا ہی اور اس بندہ کو فردانیت کے گھر میں

بلا لیتا ہی وہاں اُسپر جلال اور عظمت کا انکشاف ہوتا ہی۔ اور جلال وعظمتِ باری تعا
پر نظر پڑتے ہی بندہ ہویتؔ سے بھی بے تعلق ہوجاتا ہی۔ اب وہ "باقی بلا ہُو ہی۔ اور
اُسکی یہ حالت ہی کہ کسی وقت فنا ہوکر اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں جا پڑتا ہی اور اپنے
نفس کے دعاوی سے بری ہوجاتا ہی۔ اور گاہے مشاہدہ انوار تجلیات میں محو رہتا ہے

صوفیائے کرام فرماتے ہیں: "ولی کی ایک صفت یہ ہی کہ اُسے بیم ہو نہ اُمید
کیونکہ وہ اپنے وقت کا پابند ہی۔ اور نہ حُزن کا اُسپر کوئی اثر ہو۔ اسلئے کہ جو بندہ رضا
کی ضیاء اور موافقت کی خنکی میں ہو اُسکے لیے کسی حُزن کا ہونا کیونکر ممکن ہی خود اللہ پاک
فرماتا ہی الآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ط"

حالت صحو میں ولی کی اکثر بلکہ بیشتر یہ حالت ہوتی ہی کہ صدق کے ساتھ حقوق اللہ
کو ادا کرتا ہی خلق پر مہربان وشفیق ہوتا ہی ہر حالت میں اُنپر مہر وکرم ہی رکھتا ہی گویا
اُسکی مہربانی کا سایہ تمام خلق پر پھیلا ہوتا ہی۔ وہ بغیر مخلوق کی کسی خواہش اور تحریک کے
اُن کے لیے رحم والطاف ایزدی کا طالب رہتا ہی۔ اُنکی نجات کی دعا کیا کرتا ہی اور کسی
مخلوق سے انتقام لینے کی کوشش نہیں کرتا۔ نہ اپنے دل میں اُنکی طرف سے کسی کینہ کو راہ
پانے دیتا ہی۔ اور نہ اُنکے مال کا آرزومند اور خواہاں ہوتا ہی بلکہ اُنسے کچھ لینا نہیں چاہتا
کسی کو بُرا نہیں کہتا، اور نہ کسی کی عیب بینی اس کا شیوہ ہوتا ہی وہ دنیا یا آخرت میں
بھی کسی سے خصومت نہیں رکھتا۔ دشمنی اور کینہ وری اِسکے آئین میں نہیں ہوتی۔ وہ کہتا ہے

کفرست درطریقت ما کینہ داشتن
آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن

ابو تراب نخشبی رح فرماتے ہیں:۔ جب آدمی کے قلب کو خدا کی روگردانی سے
اُلفت ہوتی ہی تو اُسے اولیاء اللہ کی بدگوئی سے بہت لطف ملتا ہے۔ گویا خدا کے
دوستوں کو بُرا کہنا اس بات کی علامت ہی کہ آدمی کا دل یادِ الٰہی سے دور ہی۔

توحید:- توحید یہ ہے کہ خدائے پاک کو واحد اور یکتا مانے۔

رویمؒ کہتے ہیں:- توحید یہ ہے کہ بشریت کے آثار محو ہو جائیں اور الوہیت کا تجرّد بھی مٹ جائے۔"

ذوالنون مصریؒ فرماتے: "اسباب کو جاننا توحید کہلاتا ہے کہ اشیا میں خدا کی قدرت کو مانا جائے مگر یوں کہ وہ اشیا میں ملی ہوئی اور بطور مزاج کے نہیں ہے اور اسکی صنعت مسلّم ہو مگر اس طرح نہیں کہ خدا نے اشیا کے بنانے میں مصروفیت سے کام لیا ہے۔ یا آلات اور قوائے سے مدد لی ہے۔ بس یہ مانا جائے کہ ہر شے کی علت خدائے پاک کی صُنع ہے اور خدا کی صُنع کی کوئی علت نہیں اور یہ کہ خواہ کوئی بھی شے آدمی کے نفس میں متصور ہو۔ خدا کو اسکے خلاف جانے۔ یعنی کسی شے کو خدائے پاک سے مثل و مانند نہ بنائے۔

فارسؒ فرماتے ہیں "توحید یہ ہے کہ غلبۂ حال کے وقت میں تمام واسطوں کو ساقط اور زائل پائے۔ اور احکام آنے کے وقت پھر واسطوں کیطرف رجوع کرے۔ نیز اسباب کو صحیح مانے کہ نیکیاں اور اچھے اعمال اچھی اور بری قسمتوں کو ہرگز نہیں بدل سکتے۔"

جنیدؒ کہتے ہیں: "وہ حد اور انتہا جسپر توحید کے بارہ میں عقلمندوں کی عقلیں منتہی ہوتی ہیں حیرت ہے۔

حصریؒ فرماتے ہیں: "توحید کے بارہ میں ہمارے نزدیک پانچ چیزیں اصل ہیں (۱) حدوث کا رفع۔ (۲) قِدم کا افراد۔ (۳) بھائی بندوں سے جدائی۔ (۴) ترکِ ہر وطن۔ اور (۵) اسباب کو بالکل بھلا دینا کہ مجکو کچھ علم ہے یا نہیں ہے۔"

اور سہلؒ کا قول ہے: "خدائے پاک کی ذات علم سے موصوف ہے اس کا ادراک احاطہ کے ساتھ نہیں ہوتا۔ وہ دنیا میں آنکھوں سے دیکھی نہیں جاتی۔ وہ حقائقِ ایمان

کے ساتھ بغیر کسی حد، احاطہ، اور حلول کے موجود ہے۔ عقبیٰ میں آنکھیں اُسکو ظاہر میں دیکھیں گی اور یہ دیدار اُسکے مِلک اور قدرت کے مشاہدہ میں منحصر ہوگا۔ خدا نے خلق کو اپنی کُنہ ذات کی معرفت سے پردہ میں رکھا ہے اور صرف اپنی قدرت کی نشانیوں کے ذریعہ اُنھیں اپنی ذات کا نشان دیا ہے، اسی وجہ سے قلوب اُسے شناخت کرتے ہیں اور عقلیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ مومن بندے ذات باری تعالیٰ کو بغیر اِس کا احاطہ کیے ہوئے اور بلا اُسکی نہایت کا ادراک کرنے کے آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

جنیدؒ کا قول ہے:۔ توحید کے بارہ میں سب سے اعلےٰ بات وہ ہے جسکو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ "پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوق کو اپنے شناخت کے بارہ بجز اِسکے کوئی سبیل کامیابی کی نہیں بخشی ہے کہ وہ اُسکی معرفت سے عاجز رہیں"

قشیریؒ فرماتے ہیں: صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ مراد نہیں کہ خدا کی شناخت ہوتی ہی نہیں۔ کیونکہ محققین کے نزدیک عجز اور عاجز ہونا اسبابت کا نام ہے کہ کسی موجود کو نہ پایا جا سکے۔ اور معدوم کے نہ پانے کا نام عجز نہیں ہے۔ جیسے کہ اپاہج آدمی اپنی بے دست و پائی کی وجہ سے عاجز ہے کیونکہ وہ کوئی کسب نہیں کر سکتا اور نہ اُسمیں فعل کی قوۃ ہے مگر بے دست و پائی اس میں موجود ہے۔ اسی طرح عارف بندہ خدا کی معرفتہ سے عاجز ہے حالانکہ معرفتہ اسکے اندر موجود ہے۔ کیونکہ وہ ضروری چیز ہے۔ اور اس گروہ کے نزدیک حق سبحانہٗ کی معرفتہ انتہا میں ضروری ہے۔ لہذا معرفتہ کسبیہ جو ابتدا میں ہوتی ہے اگرچہ وہ تحقیق کے طور پر معرفتہ ہے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے معرفتہ ضروریہ کی نسبت سے اُسکو کچھ بھی نہیں شمار کیا ہے۔ اور اُسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ طلوع آفتاب اور چراغ پر آفتاب کی شعاعیں پڑنے کے وقت چراغ کی کیفیت ہوتی ہے کہ وہ ماند پڑجاتا اور بے رونق ہو جاتا ہے۔

یوسف بن حسین ؒ کہتے ہیں "جو شخص توحید کے سمندروں میں آپڑا وہ اوقات کے

رہ گزروں پر گزرتا ہوا بہت ہی زیادہ تشنہ کام ہوتا جائے گا۔"

شبلی رحمہ سے دریافت کیا گیا: "وہ توحید بتایئے جو مجرّد توحید ہو اور حق کی مفرد زبان سے بیان ہوئی ہو۔" شبلی رحمہ نے فرمایا: "یہ کیا کہتے ہو؟ جو شخص عبارت میں توحید بتائے وہ ملحد ہے جو اشارہ میں توحید کو سمجھائے وہ ثنوی ہے۔ اگر کوئی توحید کیجانب (ایما) سر سے اشارہ کرے تو وہ بُت پرست ہے۔ جو آدمی توحید کے باب میں زبان کھولے وہ غافل ہے۔ اور جو اُسکو بتانے سے خاموش رہے وہ جاہل ہے۔ جسکو یہ وہم ہو کہ ہاں وہ واصل باللہ ہو گیا یا توحید تک پہنچ گیا ہے اُسے کچھ حاصل ہی نہیں ہوگا۔ اور جو اپنے آپ کو توحید سے قریب خیال کریگا وہ بعید ہو گا۔ اور جو اُسکے پانے کا اظہار کریگا وہ اُسے کھوئے بیٹھا ہے۔ تم نے اپنے اوہام سے جس چیز کو تمیز کیا ہے، اور اپنے کامل ترین معانی میں اپنی عقلوں سے جس شے کا ادراک کیا ہے وہ تمھیں کو پھیر دی گئی اور تمھیں پر واپس ڈالی گئی ہے اور تمھاری ہی طرح محدث اور مصنوع شے ہے۔"

اور شبلی رحمہ ہی فرماتے ہیں: "جس شخص نے اسبات کا تصور کیا کہ توحید اسکے پاس ہے اس نے توحید کی بُو بھی نہیں سونگھی ہے۔"

ابوسعید خزّاز رحمہ فرماتے ہیں: "جس شخص نے توحید کا علم پایا اور یہ امر اسکے لیے ثابت ہو سکا اُسکے واسطے سب سے پہلا مقام یہ ہے کہ اسکے قلب سے اشیاء کا ذکر (یاد) محو (فنا) ہو جائے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ منفرد ہو جائے۔"

ابن عطا رحمہ کا قول ہے: "توحید کی حقیقت کی علامت یہ ہے کہ توحید کا نسیان ہو جائے۔ یعنی یہ صورت ہو کہ قائم بالتوحید خود واحد ہو جائے۔"

اور کہا جاتا ہے کہ: بعض آدمی اپنی توحید کی حالت میں افعال کا کشف پا جاتے ہیں اور حادثات کو اللہ تعالیٰ ہی سے صادر ہوتا دیکھتے ہیں۔ اور بعض آدمی اس قسم کے ہوتے ہیں کہ اُن کو حقیقت کا کشف حاصل ہوتا ہے ایسے آدمیوں کا احساس ماسوی

اللہ کے ساتھ اتنا مضمحل اور پژمردہ ہوجاتا ہے کہ وہ سرّاً جمع کو سرِّ حق مشاہدہ کرتے ہیں اور اُسکے ظاہر کو وصیف تفرقہ کے ساتھ مشاہدہ کیا کرتے ہیں۔

مَعْرِفَت: ۔ صوفیائے کرام کے نزدیک معرفت اُس بندہ کی صفت ہے جس نے خدائے پاک کو اُسکے اسماء اور صفات سب کے ساتھ جان لیا ہے اور اسکے بعد وہ معاملات بندگی میں صدق اختیار کر کے اپنے بُرے اخلاق اور اُنکی آفات سے منفی ہوتا ہے۔ اور بعد ازاں حق سُبحانہٗ تعالیٰ کے در پر طول قیام اور دوام اعتکافِ قلب کی بدولت توجہ خداوندی کی خوبی حاصل کرتا اور اپنے سارے احوال میں خالص صادق ہو کر خدا کی عبادت ادا کرتا رہتا ہے۔ نفسانی ہوا و ہوس کا اس سے انقطاع ہو جاتا ہے۔ اور کبھی اپنے قلب کو کسی ایسے خطرہ پر مائل نہیں بناتا جو اُسے غیر اللہ کی طرف بلائے چنانچہ جب بندہ تمام خلق سے بیگانہ اور اپنے نفس کی آفتوں سے بری ہو جاتا ہے اور تمناؤں اور ملاحظات سے پاک و صاف ہو لیتا ہے۔ وہ مدام اپنے باطن سے خدا کے ساتھ مناجات کرتا رہتا ہے۔ اور ہر آن و لحظہ میں خدا ہی کی طرف رجوع رہتا ہے۔ اور حق تعالیٰ ہی کی طرف سے اُسکی قدرت کے جاری ہونے والے احکام میں انکی رازدانی کا مُحدَّث ہو جاتا ہے اُسوقت وہ عارف کہلاتا ہے۔ اور اُسکی یہ حالت معرفت کے نام سے موسوم کیجاتی ہے۔

غرضکہ جسقدر بندہ اپنے نفس سے بیگانہ ہوتا جاتا ہے اُسی قدر اُسکو اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی معرفت حاصل ہوتی رہتی ہے۔

دقاقؒ فرماتے ہیں: "خدا کی ہیبت کا دل میں سمانا معرفت الٰہی کی ایک خاص علامت ہے جس کی معرفت زیادہ ہوگی اُسکو خدا کی ہیبت بھی زائد ہوگی"

یہی بزرگ کہتے ہیں: "معرفت قلب میں سکون آنیکا موجب ہے جسکی معرفت بڑھی ہوگی اسکا قلب بھی اتنا ہی زیادہ مطمئن ہوگا"

شبلی رح سے پوچھا گیا کہ "معرفت کیا ہی؟" انھوں نے جواب دیا "اسکا سرآغاز اللہ تعالیٰ ہی اور اُسکے سرانجام کی کوئی حد اور نہایت ہی نہیں"

قُشیری رح فرماتے ہیں: "جب بندہ پر حق سبحانہٗ تعالیٰ کی یاد اتنی غالب آتی ہی کہ وہ اپنے آپ سے بے خبر اور اپنے نفس سے غائب ہو جایا کرتا ہی اور اسی کا نام معرفت ہی۔ یا معرفت ہی ایسی حالت کا موجب ہی۔ چنانچہ اس حالت میں بندہ غیر اللہ کا کچھ بھی مشاہدہ نہیں کرتا اور نہ خدا کے سوا کسی اور جانب رجوع لا سکتا ہی۔ اور جس طرح کہ ایک عاقل آدمی کسی معاملہ یا حالت کے پیش آنے پر اپنے قلب اور فکر اور یادداشت کیجانب رجوع لاتا ہی ویسے ہی عارف کا رجوع ہر امر میں ذات باری تعالیٰ کیطرف ہوتا ہی۔ اب اگر وہ خدا کی یاد اور اُسکے مشاہدہ میں مشغول نہوگا تو اپنے قلب کی طرف بھی راجع نہو سکیگا۔ کیونکہ جسکے قلب ہی نہو اُسکے قلب میں معنیٰ کا دخل کیونکر ممکن ہی۔ ایسے ہی ان دو آدمیوں میں بڑا فرق ہی جن میں سے ایک کی زندگی اپنے قلب کے ساتھ کٹتی ہو اور دوسرے کی زندگی اُس کے خدا کے ساتھ گزر رہی ہو"

یہ بھی کہا گیا ہی کہ جسطرح توحید رضا اور تسلیم کا موجب ہوتا ہی ویسے ہی معرفت موجب حیا و تعظیم ہی۔

سہل رح فرماتے ہیں: "معرفت کی غایتہ دو باتیں ہیں: دہشت اور حیرت"

ذوالنون رح کا قول ہی: "خدا کا سب سے بڑا عارف وہ شخص ہی جسکو معرفت ایزدی میں سب سے بڑھکر تحیر ہو۔"

حسین بن منصور رح فرماتے ہیں: "جب بندہ معرفت کے مقام پر پہنچتا ہی اسوقت خود اللہ تعالیٰ اُسکے اوپر خطرات کو بذریعہ وحی بھیجتا ہی اور اُسکے باطن کا خود محافظ بنجاتا ہی جسکی وجہ سے عارف باللہ کے باطن میں حق کے خیال کے سوا کوئی اور

خیال آہی نہیں سکتا۔"

اور یہی بزرگ کہتے ہیں کہ: "عارف کی شناخت اور علامت یہ ہی کہ اُسے دنیا اور آخرت کسی کا فکر نہو۔"

جنید رح کا قول ہی: "عارفوں نے اعمال کو خود خدا لئے بر حق سے لیا ہی اور وہ اعمال کے بارہ میں خدا ہی کی طرف رجوع رہتے ہیں۔ چنانچہ اگر میں ایک ہزار سال زندہ رہوں تو بھی میرے نیک کاموں میں ذرہ برابر کمی نہ آسکے گی۔"

اور انھیں بزرگ کا قول ہی کہ: "عارف اُسوقت تک کبھی عارف نہیں ہوتا جبتک کہ وہ زمین کی طرح (خاکسار) نہو جائے کہ اُسپر نیک و بد سب قسم کے آدمی اُسے پامال کرتے چلتے ہیں۔ اور وہ ابر جیسا نہو جائے جو اپنا سایہ ہر شئے پر ڈالتا ہی۔ اور بارش سے مشابہ نہو جائے جو کل زمین کو سیراب کرتی ہی خواہ اُسے سیراب کرنا پسند کرے یا نہ کرے۔"

یوسف بن علی رح فرماتے ہیں: "عارف اُسوقت تک سچا اور پکا عارف نہیں ہوتا جبتک کہ اتنا مستغنی نہو جائے کہ اگر اُسکو حضرت سلیمان علیہ السلام کی سی سلطنت و حکومت بھی ملجائے تو بھی وہ ایک طرفۃ العین کے لیے خدا سے غافل نہو۔"

ابو یزید رح سے دریافت کیا گیا کہ "عارف کون ہوتا ہی؟" انھوں نے فرمایا: "جو خواب اور بیداری ہر حالت میں خدا کے سوا کسی کو نہ دیکھے۔ اور نہ کبھی غیر اللہ سے موافقت کرے اور نہ گاہے اُسکا مطالعہ کرے۔"

اور ابن عطا رح فرماتے ہیں: "معرفت کے تین ارکان ہیں۔ اور انھیں ارکان پر اُسکا قیام ہی۔ ہیبت۔ حیا۔ اور اُنس۔"

محبت: ۔ محبت ایک اعلیٰ درجہ کا مرتبہ ہی۔ خدا نے بندہ کے لیے محبت کی شہادت دی ہی۔ اور اسبات کی خبر دی ہی کہ وہ اپنے بندوں سے محبت رکھتا ہی۔ حق سبحانہٗ

کا یہ وصف ہی کہ وہ بندہ سے محبت کرتا ہی اور بندہ کا وصف یہ ہی کہ اُسے حق تعالےٰ سے محبت ہوتی ہی۔

خدا کی بندہ سے محبت یہ معنی رکھتی ہی کہ حق سبحانہٗ تعالےٰ بندہ کو اپنے قُرب سے مخصوص فرمانے اور اُسکو اعلیٰ درجہ کے حالات عطا کرنے کا ارادہ فرماتا ہی۔

اور بندہ کی خدا سے محبت ایک ایسی حالت ہی جو بندہ کو خدا کی تعظیم اور اُسکی خوشنودی کے ایثار پر برانگیختہ کرتی رہتی ہی۔ اگر ایک دم بھی وہ خدا کی یاد نہ کرے تو محبت اُسے بیچین بنادے۔ اور ہر لحظہ یادِ الٰہی اور مشاہدہ انوار تجلیات سے مسرت اندوز ہوتا ہے۔ بے مشاہدۂ حق اُسے قرار نہو۔ اور ہمیشہ خدا کی یاد ہی سے اُسے دلچسپی رہے۔ قلب میں ہر دم خدا کی یاد رکھے اور محبت کا انتہائی درجہ یہ ہی کہ اپنی خودی کو محبوب کے شہود میں مستہلک کر ڈالے۔

شبلی رحمہ فرماتے ہیں: "محبت کو اسلیے محبت کہا گیا ہی کہ وہ ماسوائے محبوب کو قلب سے محو کر دیتی ہی۔"

بقول بوعلی دقاق رحمہ حق تعالےٰ کی یہ صفت ہرگز نہیں کیجا سکتی کہ وہ عاشق یا معشوق ہی۔ کیونکہ عشق محبت کی حد سے بڑھ جانے کا نام ہی۔ اور حق تعالیٰ کی صفت یہ نہیں ہوسکتی کہ وہ حد سے آگے بڑھ گیا ہی۔ اور اسی طرح بندہ کا بھی یہ وصف نہیں کیا جا سکتا کہ وہ محبت خدا کے بارہ میں حد سے بڑھ گیا ہی۔ اور اگر تمام خلق کی محبتیں ایک ہی شخص میں جمع ہو جائیں تب بھی یہ اللہ تعالےٰ کی قدر کے استحقاق تک نہ پہونچیں گے۔

کہا گیا ہی کہ: خدائے پاک نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ "اے داؤد میں نے اسبابات کو قلوب پر حرام بنا دیا ہی کہ انمیں میری محبت کے ساتھ میرے سوا کسی اور کی محبت بھی داخل ہو۔"

ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: "مکہ مکرمہ میں حج کا زمانہ تھا اُسوقت وہاں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ محبت کیا شے ہے۔ بڑے بڑے شیوخ نے اسپر گفتگو کی۔ اِن بیان کرنیوالوں میں جنید رحمۃ اللہ علیہ سب سے کم عُمر کے بزرگ تھے۔ اِن سے بھی کہا گیا کہ تم اپنا خیال ظاہر کرو۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے سر جھکا لیا اور اِنکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پھر اُنھوں نے کہا۔ اپنے آپے سے گزرا ہوا اپنے رب کی یاد سے برابر ملا ہوا۔ خدا کے حقوق ادا کرنے پر جما ہوا۔ اپنے قلب سے خدا کی طرف دیکھنے میں مشغول جسکے قلب کو خدا کے انوارِ ہَوِیّہ نے سوختہ کر ڈالا ہے۔ اور اُسکی شراب صافی جامِ الفتِ ایزدی ہے۔ خدائے جبّار نے اسکے لیے اپنے غیب کے پردوں کو دور کرکے اُسپر اپنے بھید عیاں کر دیا ہے۔ اب اگر وہ بولتا ہے تو اللہ ہی کے ذریعہ سے بولتا ہے۔ اور گویا ہوتا ہے تو بھی خدا ہی کیطرف سے گویا ہوتا ہے۔ اِسکی ہر حرکت امرِ الٰہی کی تابع ہے۔ اور اُسکا ہر سکون مَعِیَّتِ خداوندی کو ساتھ لیے ہے۔ غرضکہ وہ باللہ ہے لِلّٰہ ہے۔ اور مع اللہ ہے" یعنی اُسکا اعتماد خدا پر ہے خدا ہی کا اُسپر قبضہ ہے اور خدا ہی سے اُسکو مَعِیَّت ہے۔

تمام شیوخ اس تقریر کو سُنکر رو پڑے اور اُنھوں نے کہا کہ بس اب اسپر کوئی زیادتی نہیں ہو سکتی"

سمنون رحمۃ اللہ علیہ محبّت کو معرفت پر مقدّم کہتے تھے۔ اور اکثر بزرگانِ طریقت معرفت کو محبّت پر مقدّم بتاتے ہیں۔ مگر محقّق لوگوں کے نزدیک محبت نام ہے لذّت میں اِضمحلال کا۔ اور معرفت اسم ہے شہود کا عالَم حیرت میں اور فنا کا ہیبت میں۔

ایک اور قول ہے کہ: محبّت ایک مستی ہے جسکو یہ نشہ ہوتا ہے وہ اُسوقت تک ہوش میں نہیں آتا جبتک اپنے محبوب کو نہ دیکھے۔ اور جب محبوب کا مشاہدہ کرتا ہے اُسوقت شہود کی حالت میں جو اور نشہ حاصل ہوتا ہے اُسکا کچھ بیان ہی نہیں کیا جا سکتا"

سِرّی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "دو شخصوں کے مابین اُسوقت تک محبت ٹھیک طور پر نہیں

ہوتی جبتک کہ اُنمیں سے ہر ایک دوسرے کو "اَے مَن" کہکر مخاطب نہ بنائے"
حُسین بن منصورؒ کا قول ہے: "مَحبّت کی حقیقت یہ ہے کہ تو اپنے محبوب کے ساتھ اِس طور پر مقیم ہو کہ اپنے اوصاف کو بالکل اپنے نفس سے نکال ڈالے"
ابو یعقوب سوسیؒ کہتے ہیں: "مَحبّت کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے اس حظ کو بھول جائے جو اُسے اللہ سے ملنا چاہیے اور اپنی ان تمام حاجتوں کو بھی فراموش کر ڈالے جو اُسے اُس حظ کیجانب ہیں"
یحیٰی بن معاذؒ فرماتے ہیں: "ایک رائی کے دانہ برابر مَحبّت میرے نزدیک اُس ستّر سال کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے جو بلا چاشنیٔ مَحبّت کے کیگئی ہو"
شوق: "شوق اسبات کا نام ہے کہ دِل لقائے محبوب کے لیے جوش میں آئے اور یہ قلبی جوش لقاء اور دیدار سے ساکن ہو جائے۔ اور اشتیاق کی حالت شوق سے مختلف ہے۔ کیونکہ وہ دیدار سے بھی زائل نہیں ہوتا"
شوق کی مقدار مَحبّت کی مقدار پر منحصر ہے۔ جتنی مَحبّت زیادہ ہوا سی قدر شوق افزوں ہوگا۔ اور اکثر خلقت شوق ہی کے مقام میں پائی جاتی ہے۔ نہ کہ اشتیاق کے مرتبہ میں۔ ہاں جو بندہ اشتیاق کے حال میں جا پہنچا وہ اُسمیں از خود رفتہ اور سرگشتہ ہو جاتا ہے کہ پھر نہ اُسکا کوئی نشان نظر آتا ہے اور نہ قرار پایا جاتا ہے۔
شوق کی علامت جوارح کا شہوتوں سے چھڑا لینا ہے اور موت کو راحت کے مقابلہ پر پسند کرنا۔ اور جب مرد عارف کو شوق میں کوئی بڑا مقام حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اُسے ان تمام چیزوں سے بے پروائی ہو جاتی ہے جو اُسکا خیال مشتاق الیہ سے ہٹا سکیں۔
اور شوق محبت سے پیدا ہوا کرتا ہے اسلیے مَحبّت شوق سے اعلےٰ ہے۔
سماع:۔ سماع محبوب کی جانب شوق کو بھڑکاتا ہے۔ اور اکثر بزرگان طریقت

نے اسکو پسند فرمایا ہے۔ مگر ہمارے پیشوا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے سماع کے موافق نہیں ہے اور نہ وہ اس بات سے کوئی انکار کرتے ہیں کہ اس کام کرنے والوں میں کوئی بھی صادق نہیں ہوتا۔ بلکہ اِن کا قول یہ ہے کہ صادق مرید کو بجز اُسکے پروردگار کے کلام کے اور کوئی چیز متغیر اور پرجوش نہیں بنا سکتی۔

ابو علی دقاق حنفی رح فرماتے ہیں: ”سماع عوام پر حرام ہے اسلیے کہ اُنکے نفس باقی ہوتے ہیں۔ اور زاہدوں کے لیے مباح ہے کیونکہ اُنکو مجاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ اور ہمارے برادران طریقت کے واسطے اچھی چیز ہے کیونکہ اس سے اُنکے قلوب کو حیات ملتی ہے۔“ قشیری رح علیہ کہتے ہیں: ”خوش آوازی اور نغمہ لذت آور سے اشعار کا سُننا فی الجملہ مباح ہے۔ بشرطیکہ سُننے والا کسی ناجائز بات کا معتقد نہو۔ کوئی ایسی بات نہ سُنے جو شرع میں مذموم ہے۔ سماع سے نفسانی خواہشوں کی باگ ڈھیلی نہ چھوڑ دے۔ اور اُسکے بھلاوے میں نہ آجائے کہ لہو میں جا پڑے۔“ پھر سماع سُننے والے کو جو امور واجب ہیں وہ یہ ہیں کہ اُسے طاعات خداوندی پر بہت زیادہ رغبت ہو۔ یا سماع اُس کو یہ بات یاد آئے کہ خدا نے اپنے متقی بندوں کے لیے کیسے درجہ تیار کر رکھے ہیں۔ چنانچہ سماع اسکو لغزشوں سے بچتے رہنے پر آمادہ کرے۔ اور فی الحال اُسکے قلب تک اُس وقت کی صفا کو پہنچا دے۔ تو ایسا سماع دین میں مستحب اور شرع میں پسندیدہ ہے۔ اور سلف اور اکابردین نے بھی ابیات کو خوش آوازی اور الحان کے ساتھ سنا ہے۔ امام مالک رح اور اہل حجاز اور امام شافعی رح سماع کی اباحت کے قائل ہیں۔ وہ اُسکو حرام نہیں بتاتے۔ ہاں عوام کے لیے اُسے مکروہ ضرور بتاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص گانے کو اپنا پیشہ بنائے یا اُسکی یہ حالت ہوجائے کہ ہمیشہ لہو کے طور پر سماع سُنتا ہے تو ایسے آدمی کی شہادت (گواہی) منظور نہو گی اور اس سے روکنا ضروری نہ رہے گا۔ لیکن اسکو محرمات میں شامل نہیں کرتے۔ مگر ہمارا کلام اِس قسم

کی سماع سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ ہم تو اُس سماع کو بیان کرتے ہیں جو صوفیہ کے گروہ میں ہی اور یہ طائفہ لہو کے ساتھ سماع کو نہیں استعمال کرتا اور نہ یاد خدا کو بھول کر گانا سُنتا ہی۔ یا یہ کہ اپنے قلوب کو لغو مضمون کی فکر سے آلودہ کرتا ہی۔ اور بے مناسب طریقہ یا نااہلیت کے طور پر سماع کرتا ہی۔

بندار ابن حسین کا قول ہی: "سماع کی کُل تین صورتیں ہیں۔ بعض اہل دل بالطبع گانا سنتے ہیں۔ اور بعض بالحال۔ اور بعض بزرگ بالحق گانا سُنا کرتے ہیں۔ پہلی صورت میں خاص اور عام سب آدمی شریک ہیں کیونکہ عمدہ آواز سے لذّت پانا اور خوش آوازی سے لذّت اُٹھانے کی خواہش انسانی سرشت میں داخل ہی۔ اور حال کے ساتھ سُننے والوں کی یہ کیفیت ہوتی ہی کہ وہ سماع کی حالت میں واردات قلبی پر بھی غور کرتے جاتے ہیں خطاب۔ عتاب۔ وصل۔ ہجر۔ پیمان شکنی۔ قلق یا اشتیاق کا ذکر خوف۔ فراق۔ یا فرح اور وصال کا مذکور۔ یا جدائی کا کھٹکا۔ غرضکہ انپر اور ایسی ہی باتوں پر غور کرکے اس سے متأثر ہوتے ہیں۔ اور وہ اہل دل جو کہ سماع کو حق کے ساتھ سُنتے ہیں وہ سامع باللہ ہوتے ہیں اور سامع للہ بھی ہوا کرتے ہیں۔ اُنکو مذکورہ بالا احوال سے موصوف نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ وہ حالات حظوظ بشری سے ملے ہوتے ہیں اور وہ بشری حظوظ علتوں کے ساتھ باقی ہیں۔ پس سچّے خدا رسیدوں کی سماع صفات توحید کی حیثیت سے اور حق کے ساتھ ہوتی ہی نہ کہ کسی حظ کے ساتھ"

اور ایک قول یہ ہی کہ: اہل سماع کے تین طبقات ہیں۔ (۱) ابناء الحقائق یہ لوگ سماع میں صرف اُن مخاطبات حق کی جانب رجوع رکھتے ہیں جو اُن سے ہوں۔ اور (۲) وہ لوگ ہیں جو اپنی سُنی ہوئی باتوں کے معانی کے ذریعہ خود اللہ پاک سے تخاطب کیا کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں پر یہ امر واجب ہی کہ جن چیزوں کے ذریعہ سے خدائے پاک کی جانب اشارہ کریں اُن میں صادق ہوں۔ اور (۳) وہ فقیر ہی جو مجرّد ہو۔ اُسنے

دنیا اور اُسکی آفتوں سے تمام تعلقات توڑ دینے ہوں۔ اور محض پاک دلی سے سماع سنتا ہو۔ اس قسم کے لوگ سلامتی سے بہت زیادہ نزدیک ہیں۔

اور کہا گیا ہے کہ: سماع کے کئی حالات ہوتے ہیں۔ اُنمیں سے پہلی حالت یہ ہے کہ سالک پر ابتدائی سلوک میں کچھ تغیر نمایاں ہو۔ اور یہ تغیر اُس قلق اضطراب کے غلبہ سے ہوتا ہے جو محبوب کی جدائی سے پیدا ہوا کرتا ہے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک اس حالت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ سماع سے سالک کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ اُسے اپنے عروجِ روحانی کے حال میں ذرا بھی حِس و حرکت باقی نہیں رہتی۔ اور گو یہ بڑی شریف حالت ہے تاہم یہ بھی بندی ہی کی شان ہے۔ اور تیسری حالت بلند ترین حال کہ اور سب حالتوں سے اعلیٰ۔ اسکے متعلق صوفیاء کرام یہ کہتے ہیں کہ اس حالت میں سالک کی روح لذتِ مشاہدہ کے حصول سے مست ہو جاتی ہے اور اسکا بدن بغیر اسکے اختیار کے رقص کرنے لگتا ہے۔ پھر جب روح کو سکون ہوتا ہے یا غَیبَتْ (بیخودی) واقع ہوتی ہے اُسوقت جسم بھی ساکن ہو جایا کرتا ہے۔

اِن تینوں حالتوں کی علامتیں بھی ہیں جنکے ذریعہ سے امتیاز کیا جاتا ہے کہ سالک پر کس قسم کی حالت طاری ہے۔ پہلی حالت کی علامت یہ ہے کہ صاحب حال کا چہرہ بالکل سُرخ ہو جاتا ہے اور تمتما اٹھتا ہے۔ اور دوسری حالت کی علامت چہرہ کی زردی ہے۔ اور تیسری حالت کی یہ علامت ہے کہ رنگ، چہرہ، اور آنکھیں سب سُرخ ہو جائیں اور صاحب حال کو دیکھنے والے شخص پر اُس سالک کی ہیبت طاری ہو جائے۔

مگر ایک چوتھی حالت بھی ہوتی ہے۔ اور وہ اس طرح کی ہے کہ مجلسِ سماع میں سالک کو وصال یا ہجر سے وجد حاصل ہوتا ہے اسوجہ سے وہ کبھی روتا ہے اور گاہے ہنستا ہے اسکے ہنسنے کا وقت ہے جبکہ محبوب کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور روتا اُسوقت ہے جب محبوب اُس سے نہاں ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں سالک کے چہرہ کا رنگ وجد کی وجہ سے بدلتا رہتا ہے

کبھی سُرخ ہوجاتا ہی اور گاہے زرد پایا جاتا ہی۔ لیکن اگر سالک کا رنگ سُرخ سیاہی مائل ہو یا خاکستری ہوجائے۔ اور اُسکی دونوں آنکھوں کا رنگ سپید پڑ جائے تو یہ بات جنوں اور شیطاں کے تسلّط سے پیدا ہوتی ہی۔ یہ سچّے وجد کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ ایسے شخص کو مجلس سماع سے نکال باہر کرنا مناسب ہی۔ واللہ اعلم

ابو سعید خرازرحہ کا قول ہی: "جس کا یہ دعوےٰ ہو کہ وہ سماع میں فہم مطالب کے وقت مغلوبِ حال ہوتا ہی اور یہ کہ حرکات اُسکی مالکہ ہوتی ہیں تو اِسکی علامت یہ ہی کہ وہ شخص جس مجلس میں ہوگا وہ مجلس اُسکے وجود کی وجہ سے خوشنما ہوجائیگی"۔

ابو عثمانِ مغربی کہتے ہیں: "کہ یہ جو بیان ہوا کم سے کم درجہ ہی۔ ورنہ ایسے شخص کی صحیح علامت یہ ہی کہ اس مجلس میں جتنے حال کو حق ماننے والے ہوں سب کو اُس سے سُرور حاصل ہوا اور جتنے سماع و حال کو باطل جب ننے والے مجلس میں بیٹھے ہوں اُنکو اضطراب اور بد دلی لاحق ہوجائے۔

یہ معلوم رہنا چاہیے کہ صوفیائے کرام کے نزدیک سماع کی کئی شرطیں اور اُسکے بہت قواعد اور آداب ہیں۔ شرائط تو یہ ہیں کہ سماع فسق سے بَری ہو۔ اُسکو کسی معصیت کے قصد سے نہ سُنا جائے۔ گانا سُننے کی حالتمیں بُرے خیالات دل پر غالب نہوں۔ اس سے کوئی ممنوع اور ناجائز اعتقاد دل میں نہ جم جائے۔ اور گانا بھی ایسا ہو کہ جو آلات شرع میں حرام ہیں اُنپر نہ گایا جاتا ہو۔ گانے والی عورت نہو اور وہ عورت کہ اُسکو دیکھنا جائز نہیں ہی اور اُسکا گانا سُننے سے فتنہ میں پڑ جانے کا خوف ہی۔ اور وہ نوجوان لڑکا جسکی صورت دیکھنے سے خواہش نفسانی کا جوش پیدا ہو اُسکی حالت بھی عورت ہی کے مانند ہی۔ اور اُسکا گانا سُننے سے فتنہ کا خوف ہی۔ گانا سُننے والا اس قسم کا آدمی نہو جو نفسانی خواہشوں سے مغلوب ہے۔ اور شعر و نظم کسی ایسی شے پر مشتمل نہو جو شرع میں ناروا ہی مثلاً جھوٹ، مسلمان کی ہجو، فحش۔ یا ایسا کلام کہ اُس میں خاص کسی غیر عورت

کا وصف یا خاص امرد کا وصف ہو اور جنکا یہ وصف ہو وہ زندہ و قائم ہوں۔ یا نظم میں شراب کی صفت کچھ اس طور پر کی گئی ہو کہ اُسے سُنکر مے نوشی کی اُمنگ اور خواہش پیدا ہو سکے اور خود سُننے والا جس مضمون کو سُنے اُسے ایسے معنی پر محمول نکرے جسکا اعتقاد شرعاً ممنوع ہی۔ گانا سُننا کسی واجب کو ادا کرنے سے روکنے والا نہو۔ اور یہ کہ گانے پر کوئی اُجرت نہ لیجائے۔ اور سامع کو جھوٹا وجد ظاہر کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اور سماع کے آداب حسب ذیل ہیں۔

سماع کے لیئے تکلف نہ کریں یعنی خواہ مخواہ گانا سُننے کی خواہش نہونی چاہیے۔ اگر گانا سُننا ہو تو اضطراری طور پر۔ باختیار خود گانا سُننا اور اُسکی طرف متوجہ ہونا آداب سماع کے خلاف ہی۔ اور اسبات کو بعض اولیاء اللہ نے بدیں خیال منع کیا ہی کہ جو عوام سماع کے اہل نہیں ہیں کہیں وہ اپنے مشائخ کی پیروی کر کے فتنہ اور خرابی میں نہ پڑ جائیں اور چند دیگر اولیاء اللہ نے بالاختیار اور بتکلف بھی سماع کو قرار دیا ہی۔ اور اُسکی وجہ سے اُنکے حال کو قوت حاصل ہوتی ہی۔ ان بزرگوں کا قول ہی کہ سماع کو ایسا ہونا چاہیے کہ فاسق اپنے فسق سے نجات پاجائیں۔ اور یہ بات اُنہیں مستمع محق کے حال کی تاثیر سے پیدا ہوتی ہی۔ لیکن اگر سماع انکی حرص فسق کو بڑھاوے تو پھر وہ حلال نہیں۔

مشائخ چشتیہ کو سماع کا بڑا شوق ہی۔ اور اُنکا حال نہایت قوی تر ہی۔ اگر انکے سوا اوروں کے لیے سماع مرض یا دوا کا حکم رکھتا ہی تو چشتیہ مشائخ کے واسطے غذا ہی اور وہ اسکے ذریعہ سے مقامات قرب میں ترقی پاتے ہیں۔ اور وہ اپنے مجمعوں میں سماع کو اسکے پورے شرائط اور آداب کے ساتھ سُنا کرتے ہیں " وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا "۔

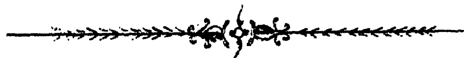
اور جب سماع کا اتفاق پڑ جائے تو مستمع کو چاہیے کہ ادب کے ساتھ خالص نیت کر کے گانا سُننے کو بیٹھے۔ اور یہ توقع رکھے کہ سماع سے اُسکی ارادت میں اضافہ ہوگا۔ نفس کے ہوا کی جانب میل کرنے سے پرہیز کرے اور بچا رہے۔ پاک و صاف ہو۔ اور قلب

اور انفاس سے ذکر خدا کرتا ہے۔ قوال کے قول کو توجہ سے سنتا ہو۔ قلب کو حاضر رکھے۔ اِدھر اُدھر بہت کم دیکھے۔ اور اسباب سے پرہیز رکھے کہ دیگر سننے والوں کے چہرہ پر تجسس بھری نگاہ ڈالکر اُنکے احوالِ وجد کی ٹٹول کرے۔ مراقبہ کیے رہے اور منتظر ہو کہ خدائے پاک اُس کے سر میں اپنی رحمۃ سے کیا افتتاح فرماتا ہے یعنی اُسے کیا فتوحات قلبیہ عطا کرتا ہے۔ کھنکھارنے انگڑائی لینے یا کوئی ایسی حرکت سے دوسرے ساتھیوں کے قلوب کو پراگندہ کرے محترز رہے۔ وہ اپنے ظاہر کو بالکل ساکن رکھے۔ ہاتھ پاؤں ہلنے نہ دے۔ ادب کے ساتھ سر جھکا کر بیٹھے گویا کسی فکر میں ڈوبا بیٹھا ہے۔ اور فکر اپنے قلب کی ہو۔ تالیاں بجانے سے رقص سے اور تمام دیگر حرکات سے جو بناوٹ دکھانے اور تکلف کی ہوں اپنے آپ کو بہت روکے۔ اور قوالی کے دوران میں غیر ضروری باتوں سے بالکل سکوت اختیار کرے اور اگر دیکھے کہ اُسکا قلب سماع کے لیے حاضر نہیں ہے تو اُسے مجلس سماع سے نکل جانا لازم ہے اور پھر وہاں ہرگز نہ بیٹھنا چاہیے۔ وجد کے استدعا سے پرہیز کرے۔ اور جہاں تک ممکن ہو حرکت سے مجتنب رہے۔ کھڑا نہو۔ بلند آواز سے روئے نہیں۔ مگر یہ اُسوقت جبکہ اُسے اپنے آپ کو ضبط کیے رہنے کی قدرت ہو۔ اور اپنے کپڑوں کو نہ پھاڑے۔ لیکن جبکہ اپنے اختیار سے باہر ہو جائے تو یہ وجد کا غلبہ اور بے اختیاری کی حرکت اُسے معذور بنائے گی اور اُسکو کچھ ملامت نہ کیجائے گی۔ ہاں حالتِ وجد میں جوں ہی اپنے اختیار کی طرف پلٹے بس فوراً ساکن اور خاموش ہو جانا چاہیے اور قیام کی حالت میں قوم کو موافقت کرنا چاہیے۔ چنانچہ جب ایک آدمی بھی سچے وجد کی حالت میں کھڑا ہو جائے تو اُسکی تعظیم کے واسطے تمام جماعت کو قیام کرنا ضروری ہے۔ اور کوئی آدمی اُس شخص کی حفاظت کا بھی خیال کرے جو وجد میں ہو تا کہ کہیں بے خودی کے عالم میں وہ اپنے ہاتھ پاؤں نہ توڑ لے۔ یا کسی دیگر عضو کو گزند پہنچ جائے۔ اور مستمع کے لیے بہتر یہ ہے کہ قوال سے کسی چیز کو دہرانے یا لوٹانے کی کبھی فرمایش نہ کرے۔ بلکہ اسباب کو خدا کی

اسطرح پیدا کرو ہی اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ خدائے پاک اُسکے لیے کسی ایسے شخص کو مہیا کر دیتا ہے جو اِس صاحبِ وجد کا نائب بنکر قوال سے تکرار اور اعادۂ قول کا تقاضا کرتا ہے۔ یا خدا خود قوال کے قول میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ وہ ایک ہی چیز کو بار بار دُہراتا ہے۔ مگر یہ اُسوقت ہوتا ہے جبکہ مستمع صادق ہو۔ اور تکرار میں اُسکی کوئی دلالت اور مصلحت ہو۔ اور اگر اپنی سُنی ہوئی شے کے تکرار کا حکم دے تو اُسکا حکم مقدم رکھا جانا چاہیے۔ ورنہ گانے والے کے واسطے خود یہ بہتر ہے کہ صاحبِ وجد کے وجد اور شوق کا ہیجان معلوم کرتے ہی جس چیز سے اُسکی یہ حالت ہوئی ہے اُسی کو بار بار دُہراتا رہے۔ اور جب کوئی فقیر کسی بیت کو سنے اور وہ کسی بیت پر جنبش میں آئے تو اُس کو اُس کے وقت کے حوالہ کر دینا چاہیے۔ اب کوئی اس سے کچھ مزاحمت نہ کرے۔ اور اگر دیگر حاضرینِ مجلس اُسکی کوئی بات بیجا دیکھیں یا اسکے حال میں کوئی قصور پائیں تو بھی اُنھیں پردہ پوشی لازم ہے۔ ہاں اگر وقت کا مقتضیٰ یہ ہو کہ تنبیہ کیجائے تو یہ تنبیہ نرمی اور قلب کے ذریعہ سے کیجانی چاہیے نہ کہ زبان سے۔

جنید رحمہ فرماتے ہیں: "سماع تین چیزوں کی محتاج ہے۔ زمانہ۔ جگہ اور ہم مشرب بھائیوں کی" اس سے یہ مراد ہے کہ گانا اُسوقت سُننا چاہیے جو شرعی اور ذاتی فرائض اور واجبات سے فراغت کا وقت ہو۔ نماز کا وقت نہو۔ اور نہ کھانا کھانے کا وقت یا کسی جھگڑے بکھیڑے کا وقت جو انسان کو دوسری طرف مصروف کرنا چاہیے۔ اور گانا ایسی جگہ میں سُنا جائے جہاں دل کسی اور طرف نہ بٹے یعنی عام رستہ یا کوئی بدنما جگہ نہو اور نہ ایسی جگہ ہو کہ جہاں کسی سبب سے یکسوئی نہیں ہو سکتی۔ اور [illegible] اور ان ہم مشرب سے اہل سماع مراد ہیں جو فقیر، فقراء اور مشائخ و صلحا ہوں۔ اور مجلس سماع میں تین قسم کے آدمیوں میں سے کسی کو نہ [illegible]۔ ایک وہ شخص جو سماع کا منکر ہی ظاہر رہتا ہے مگر اُسکا باطن زہد سے بالکل خالی ہے۔ دوسرے کوئی مغرور دنیادار جسکی خاطرداری اور دلجوئی کی ضرورت پڑے۔ اور تیسرا وہ شخص جو بناوٹی طور پر وجد لاتا اور مکر سے وجد میں آکر رقص کرتا اور اپنے

کپڑوں کو پھاڑتا ہی- اور اسوقت بھی گانا سُننا درست نہیں جبکہ مجلس سماع میں کوئی ایسا آدمی موجود ہو کہ ابھی اُسنے طریق تصوّف میں بجز ظاہری اعمال کے اور کوئی امر نہیں ادراک کیا ہی- اور اُسے سماع کا شوق نہیں- یا ابھی اُسکے نفس میں حظ دنیاوی کا اثر باقی ہی- اور وہ نفسانی خواہشوں کی طرف ملتفت ہو جاتا ہی- یا اُسے خدائے تعالیٰ کے اسمار اور صفات کی معرفت حاصل نہیں- نہ وہ یہ جانتا ہی کہ خدائے پاک پر کس وصف کا اطلاق جائز ہی اور کونسا وصف اُسکے لیے محال ہی تاکہ نادانی کے سبب سے خدا پر وہ وصف عائد کرنے لگے جو اُسکی شان کے سزاوار نہیں-



وصلِ چہارم

تصوّف- صحبت- اور ادب کے بیان میں

تصوّف

تصوف اسبات کا نام ہی کہ انسان تمام اعلیٰ اخلاقِ انسانی کے دائرہ میں داخل اور جملہ کمینہ اخلاق کی پستی سے خارج ہو جائے-

عمرو بن عثمان رح کا قول ہی: "تصوف اسبات کا نام ہی کہ بندہ ہر وقت اس حالت اور عمل میں رہے جو اُسوقت میں اُسکے لیے اولے ہی"

شبلی رح فرماتے ہیں: "صوفی خلق سے منقطع اور حق سے متصل ہوتا ہی"

جنید رح فرماتے ہیں: "جب صوفی کو اپنے ظاہر کے خیال میں مبتلا دیکھیں تو جان لینا

چاہیے کہ اسکا باطن ضرور خراب ہے"

سہیل رح کا قول ہے کہ: "صوفی وہ ہے جو اپنے خون کو خلق کے لیے حلال اور اپنے مال کو مباح جانے۔ یعنی وہ جان و مال سبکو ہر وقت نثار کرنے پر تیار رہے"

صحبت

صحبت کی تین قسمیں ہیں۔ امام قشیری رح فرماتے۔ کہ صحبت تین قسم کی ہوتی ہے۔ (۱) اپنے سے بالاتر مرتبہ والے کی صُحبت اور یہ درحقیقت خدمت ہے۔ (۲) اپنے سے کم مرتبہ والے کی صحبت اس کا اقتضایہ ہے کہ تابع متبوع پر مہربان اور شفیق ہو۔ اور تابع متبوع کی موافقت اور اُسکی حرمت کرے۔ (۳) یہ ہے کہ ہم چشم اور برابر والوں سے صُحبت رہے۔ اور یہ صحبت ایثار اور جوانمردی پر ملتی ہے"

اور ذوالنون مصری رح فرماتے ہیں: "خدا سے موافقت کے ساتھ صحبت رکھنی چاہیے اور خلق سے خیر خواہی کے ساتھ اور نفس سے مخالفت کے ساتھ اور شیطان سے عداوت کے ساتھ"

ابوبکر طمستانی رح فرماتے ہیں: "خدا کے ساتھ رہو۔ اور اگر اسکی طاقت نہو تو ایسے آدمی کی صحبت اختیار کرو جسے صحبت الٰہی حاصل ہے تاکہ وہ تمھیں بھی واصل باللہ کردے۔ کیونکہ واصلان خدا کی صحبت کی برکتیں غیر واصلین کو بھی واصل بنا دیتی ہیں"

ایک شخص نے سہل رح سے کہا: "میں آپ کی صحبت میں رہنا چاہتا ہوں" سہل نے فرمایا کہ ہم دونوں میں سے ایک مر جائے تو باقی ماندہ کا پھر کون ساتھی ہوگا؟۔ اُس شخص نے جواب دیا: "اللہ تعالیٰ۔ سہل رح نے کہا: - تو پھر ابھی سے خدا کا ساتھ دو

ابوعلی دقاق رح سے مروی ہے کہ: "ایک شخص نے کچھ مدت تک ایک دوسرے شخص کی صحبت میں بسر کیا۔ دونوں ساتھ رہتے اور ہمدم و ہمنفس تھے۔ اسکے بعد انمیں سے

ایک کا دل چاہا کہ اب جدا ہو۔ اُس نے اپنے رفیق سے علیحدگی کی اجازت چاہی۔ رفیق نے کہا: "تم جدا ہو سکتے ہو مگر اس شرط سے کہ میرے بعد اور کی صحبت اُس وقت تک اختیار نہ کرنا جبتک کہ وہ رتبہ میں ہم سے بڑھکر نہ ہو۔ اور اگر وہ رتبہ میں بڑا ہو تو اُس کی صحبت اسلیے اختیار نہ کرنا کہ تم ہمارے رفیق رہ چکے ہو" اسبات کو سنکر وہ رفیق کہنے لگا کہ اب میرے دل سے جدائی کا ارادہ ہی نکل گیا۔

صحبت

اور صحبت کئی نوع کی ہے۔ (۱) برادران طریقت کی صحبت۔ (۲) غیروں کی
(۳) دولتمندوں کی صحبت۔ (۴) فقیروں کی صحبت۔

برادران طریقت کے ساتھ صحبت کا یہ اُصول ہے کہ ایثار اور جوانمردی سے کام لے۔ اُنکی خطاؤں سے درگذر کرے اور اُنکی خدمت کرتا رہے۔ کبھی اسبات کا خیال بھی دل میں نہ لائے کہ کسی پر اُسکا کوئی حق ہے۔ اور نہ کسی سے کسی حق کا مطالبہ کرے بلکہ یہی سمجھے کہ رفیقوں میں سے ہر ایک کے حقوق اُسی پر ہیں اور اسبات کو سمجھکر اُنکے حقوق ادا کرنے میں کوئی تقصیر نہ کرے۔ جو کچھ وہ کہیں اور کریں اُن سب باتوں میں اُنسے موافقت ہی ظاہر کرے۔ اور ہمیشہ اُنکے ساتھ اپنے نفس کو مار کر رہے اُنکی بُری باتو کی نیک تاویل کرتا رہے۔ اور اُنسے اپنی تقصیر خدمت کا معذرت خواہ ہو۔ اُنکی مخالفت کو بالکل چھوڑدے۔ اُن سے قطعاً نفرت نکرے اور نہ اُن کے ساتھ کسی قسم کا زبانی جھگڑا یا سخت کلامی کرے۔ اُن کے عیبوں سے چشم پوشی کرتا رہے۔ اور اگر اُن میں سے کوئی کسی امر میں اُس سے مخالفت کرے اور خلاف رائے دے تو بظاہر اُسکی بات تسلیم کرلے گو خود اُسکے نزدیک معاملہ اُس شخص کے کہنے کے خلاف ہو۔ ہمیشہ اُنکی دلدہی اور دلداری کرتا رہے۔ اور کوئی کام ایسا نہ کرے جو اِن لوگوں کو ناپسند ہو خواہ اِسمیں اُنکی بہتری ہی نظر آتی ہو۔ کسی کی طرف سے اپنے دل میں کچھ بھی کینہ نہ رکھے اور اگر یاروں میں سے کسی کے دل میں اُسکی طرف سے کوئی برائی آجائے تو اُس

اس طرح باخلاق و مہربانی پیش آوے کہ اُسکے دل کا رنج دور کرے اور جبتک اُس کے دل سے رنج کا کا نشانہ نکال دے اُسوقت تک برابر اُسکے ساتھ احسان و خوش اخلاقی سے پیش آتا رہے - اور اگر یاروں میں سے کسیکی طرف سے اپنے دل میں کوئی رنج یا بددلی پائے یا اُسکی طرف سے غیبت وغیرہ چھنے پر ناخوشی کا اثر محسوس کرے تو اپنی ذات سے اسبات کا اظہار نہونے دے بلکہ اپنے نفس ہی سے اسکی نسبت نیکی ہی کا گمان رکھے -

اور غیروں سے صحبت اور معاشرت کا طریقہ یہ ہی کہ سِرّ قلبی کو اُنسے پوشیدہ رکھے - اُن پر مہر و کرم کی نظر کرتا رہے - اُنکے مال اُنہیں کے سپرد کرنے - اور طریقہ کے احکام کو اُنسے مخفی رکھے - اُنکی بداخلاقیوں کو صبر سے برداشت کرے اور جہاں تک ممکن ہو اُنکی معاشرت چھوڑ دے - مگر اُسی کے ساتھ ان پر اپنی کسی بزرگی کا خیال نفس میں نہ آنے دے یہی کہتا رہے کہ یہ لوگ اہل سلامت ہیں - خدا ان کو معاف کرے گا - اور انکی غلطیوں سے درگذر کرے گا - خود اپنے نفس سے یہی کہتا رہے کہ تجھ پر تنگ طلبی ہوگی اور تجھ سے چھوٹی سے چھوٹی غلطی اور ذرہ ذرہ اعمال کا مواخذہ اور صغیرہ و کبیرہ کا محاسبہ ہوگا - کیونکہ خدائے پاک جاہلوں کے وہ کام بالکل معاف کر دیتا ہی جو کہ ظالموں سے ہوں تو کبھی معاف نہیں کرتا - خدائے پاک عوام کی کوئی پروا نہیں کرتا ہی - بس اسکے مواخذہ کا خطرہ خواص ہی کے لیے ہی -

اور مالداروں سے صحبت کا دستور یہ ہی کہ اُنکے مقابلہ میں اپنی عزت کی نگہداشت کرے اُن سے کوئی طمع ہرگز نہ رکھے - اور اُنکے مال و زر کی کوئی امید اپنے دل میں نہ رکھے اُن کو اپنے دل میں بالکل جگہ نہ دے - اور اُنکے دکھانے کے لیے دین میں کوئی تصنع اور بناوٹ نہ کرے - تاکہ اُنھیں دینداری دکھا کر اُنسے مالی فائدہ اور نذریں حاصل کر سکے ایسے لوگوں کی صحبت سے دور بھاگے جو دین میں رخنہ انداز ہوتے ہوں - لیکن اگر حضر یا سفر میں - راہ چلتے یا مسجد میں - سرا میں یا کسی مجمع میں اس قسم کے لوگوں سے سابقہ

پڑ جائے تو خوش اخلاقی سے کام لینا بہتر ہے۔ درویش کو مناسب ہے کہ وہ دنیا والوں پر اپنی فضیلت کا ہرگز خیال نہ کرے۔ بلکہ اسکا دلی یقین یہی ہونا چاہیے کہ ساری مخلوق اس سے افضل اور اچھی ہے۔ تاکہ کبر اور غرور سے نجات پائے۔ فقیر کو اپنے لیے فقر کی فضیلت چاہنا اور دنیا یا آخرت میں اسکی کسی قدر و قیمت یا عزت و مرتبت کا اعتقاد رکھنا درست نہیں۔

دولتمند کا ادب اور اُسکی خوبی یہ ہے کہ فقیروں سے نیک سلوک کرے اور نیک سلوک اسباب کا نام ہے کہ اپنے کیسہ سے مال نکال کر فقیروں کو دے۔ وہ اپنے مال کی کچھ فکر نہ کرے بلکہ یہ سمجھے کہ آج اُسکو ایک شخص سے مال ملا ہے تو کل اسکے پاس سے دوسرے کے پاس چلا جاوے گا۔ میں اِسکا دائمی مالک ہرگز نہیں ہوں۔

اور فقیر کا ادب اور اُسکی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے دل میں دولتمند کی کوئی وقعت نہ رکھے اپنے قلب کو دولتمند اور اُس کے مال سے بے پروا بنائے بلکہ دنیا اور آخرت کسی چیز کی پروا نہ کرے۔ اپنے قلب میں کسی چیز کی جگہ ہی نہ رہنے دے تمام حرص و آرزو اور خواہشات سے پاک و صاف ہو کر قلب کو انکے خیالات سے خالی کر لے اور پھر اسباب کا منتظر اور متلاشی رہے کہ قلب کو اپنے خدا کی یاد اور اُسکے مشاہدہ انوار تجلیات سے بھر لے۔ غیر اللہ کا اسکے نزدیک وجود ہی نہو اور کوئی قوت و قدرت اسکے سوا مانے۔ جب یہ حال ہو جائے گا تو مرد درویش پر فضلِ ایزدی کا نزول ہوگا اور وہ غنی باللہ بنجائے گا۔ اور کوئی تکلیف۔ فکر۔ اور محنت اُسکے قلب میں جگہ نہ پا سکیگی

اور فقیروں سے صحبت اور معاشرت کا یہ طریقہ ہے کہ ان کے ساتھ ایثار کرے کھانے پینے۔ لباس اور دیگر آرام کی چیزوں اور مجالس وغیرہ سب میں اُنکو اپنے نفس پر مقدم رکھے۔ جو نفیس شے ہو پہلے اُن کو دے اور پھر آپ لے۔ اپنی ذات کو ہر شے میں اُنسے کم رتبہ اور حقیر سمجھے۔ اور جتنا بھی اُنکے ساتھ سلوک کرے یہی خیال کرتا رہے کہ کچھ نہیں

کیا ہی۔ اسبات سے بہت بچنا ہے کہ ان پر کوئی احسان جتائے یا اپنے دل ہی میں خیال لائے کہ انپر احسان کر رہا ہی۔ کیونکہ دراصل جو شخص تجھ سے عطیہ کو قبول کرتا ہی۔ دراصل اُسکا تجھپر احسان ہی نہ کہ تو اُسپر احسان کرتا ہی۔ اگر وہ نہ لیتا تو پھر تو کس کے ساتھ احسان کرتا۔ ہاں اسبات کا شکر کرتے رہنا چاہیے کہ خدانے تجھکو اپنے خاص بندوں کی خدمت گزاری کا اہل بنایا ہی۔ کیونکہ صالح فقیر ہی وہ لوگ ہیں جو قران پر صحیح طور سے عمل کرتے ہیں اور اہل قران ہی سچے اہل اللہ ہیں۔ فقرا۔ اہل اللہ کو اس بات کا ہرگز محتاج نہ بنانا چاہیے کہ وہ تم سے کچھ سوال کریں بلکہ بے سوال بے طلب اِن کی ضرورتوں کا خیال کرکے اُنھیں بہم پہنچاتے رہنا ضروری ہی۔

اگر اتفاقاً کوئی فقیر تم سے کچھ قرض مانگے تو بظاہر اسکو قرض دیدو مگر دل میں یہ عہد کر لو کہ اب یہ قرض اس سے واپس نہیں لینا ہی۔ اور قریب ترین وقت میں اس فقیر کو بھی اسبات کی اطلاع دیدو۔

فقیر کو پہلے ہی سلوک اور صلہ کے طور پر کچھ نہ دو تاکہ وہ شرمندہ اور خفیف ہو کر یہ خیال نہ کرے کہ تم اِسپر احسان کا بار ڈالنا چاہتے ہو۔ اُسکے قلب کا ہردم خیال رکھو اور یہ اس طرح کہ اُسکی مراد جتنی جلد ہوسکے پوری کردو ایسا نہ ہو کہ تمھارے دیر لگانے سے اس کا وقت مکدّر اور منغّص ہو جائے اور انتظار کی زحمت اُسکے حال میں خلل ڈالدے۔ کیونکہ درویش اپنے وقت کا پابند ہوتا ہی۔

یہ علم ہونے پر کہ درویش بی بی بچّے رکھتا ہی صرف اُسی کی ذات سے مہربانی اور خبرگیری کا سلوک نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اسیقدر سلوک کافی نہیں بلکہ اسکے ساتھ اتنا اخلاق اور کرم کرے کہ اُسکے اور اِن سب کے لیے کافی ہو جنکا تعلق اُس کا دامنگیر حال ہی۔

فقیر اپنا حال کہے تو اُس کو صبر کے ساتھ سُننا چاہیے۔ ملال یا اُکتاہٹ کا اظہار

نہ کرے۔ اُس سے جب ملے خندہ پیشانی ہو کر اور شگفتہ روئی کے ساتھ ملے۔ کبھی تُرش روئی اور ناخوشی نہ عیاں کرے۔ نہ تیز نگاہ سے دیکھے اور نہ وحشت آمیز کلام کرے اور اگر فقیر تم سے کوئی ایسی شے طلب کرے جو فی الحال موجود نہیں ہی تو اُسکو مناسب اور اچھی بات کہکر واپس کرنا چاہیے اور جسقدر ممکن ہو اُتنی مدد کر دینا چاہیے۔ یہ نکرے کہ یقینی طور پر اُسکے سوال کو رد کر دے اور اُسے مایوس بنا دے۔ تاکہ وہ بے فائدہ تم پر اپنا راز ظاہر کرنے سے نادم نہو۔ یا یہ کہ اُسکی طبیعت اِنسانی اُس پر غالب آجا اور وہ اُس ناکامی سے جھُنجھلا کر معاذ اللہ خدا پر اعتراض کر بیٹھے جس کی وجہ سے اُسکا قلب تاریک ہو جائے اور وہ کہیں کا نہ رہے۔

ادب

ادب نیک خصلتوں کے اجتماع اور اخلاص کے ساتھ اُنکے کامل ہونے کا نام ہی۔ اور ظاہری حُسن ادب باطنی ادب کی خوبی کا دیباچہ ہوا کرتا ہی۔

ذوالنون مصری رہ کا قول ہی: "جب مرید دائرہ ادب سے خارج ہو جاتا ہی تو وہ جدھر سے آیا تھا پھر وہیں کو لوٹ جایا کرتا ہی" یعنی کورے کا کورا رہ جاتا ہی۔

ابو علی وقاق رہ فرماتے ہیں: "ترک ادب ایسا امر ہی کہ نکال دیے جانے کا موجب ہوتا ہی۔ جو شخص فرش دربار پر بے اَدبی کا مرتکب ہوگا وہ پھر نکال کے دروازہ پر پہنچا دیا جائے گا۔ اور جس نے دروازہ ہی پر بے اَدبی کی وہ چوپایوں کی خدمت (سائیسی) کے کام پر لگا دیا جائے گا" یعنی اُس سے حقیر و ذلیل کام لینا مناسب ہی۔

یحییٰ بن معاذ رہ کہتے ہیں: "مرد عارف اپنے معروف کا ادب ترک کرتے ہی ہلاک ہونے والوں میں شامل ہو جاتا ہی۔

اِنھیں وجوہ سے صوفیہ نے آداب کی طرف بہت توجّہ کی ہی۔ اور حد درجہ کی

کوششیں کر کے باادب ہونے کے ثمرات حاصل کیے ہیں۔ چنانچہ ہم ذیل میں اُن بزرگوں کے آداب کا مناسب بیان کرتے ہیں۔ اور اس بیان کو آٹھ مقامات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

پہلا مقام

تربیت میں شیخ کے آداب

شیخ کو اس بات سے بہت بچنا چاہیے کہ وہ اپنے دل سے کسی کو مرید بنانے کے لیے منتخب کرے۔ اُسے لازم ہے کہ اس بارہ میں فعل الٰہی اور اُسکی قدرت کا منتظر رہے جسکو خدائے پاک بغیر اسکے تکلف اور سابق پسندیدگی یا تربیت کے اُسکے پاس بھیجدے اُسی کو مرید بنائے اور ایسے ہی شخص کی تربیت کی اُسکو توفیق حاصل ہوگی اور وہ مرید بہت تیزی کے ساتھ فلاح وکامیابی حاصل کرے گا۔

اور شیخ پر لازم ہے کہ ایسے مرید کی تعلیم وتربیت خالصاً للہ تعالیٰ قبول کرے اور اُسکی تادیب کے بارہ میں خدا سے کسی عوض ملنے کی امید نہ رکھے۔ نہ کوئی اور آرزو کرے بلکہ محض اس خیال سے کہ یہ خدا کا حکم ہے اور ایک ہدیہ ہے جو جنابِ باری نے اُسے بھیجا ہے اُس حکم کی تعمیل اور ہدیہ کی نگہداشت میں کوشاں رہے اور اس مرید کی تربیت پر پوری توجہ صرف کرے۔ کیونکہ جو مرید اور طالب شیخ کی پسند کے بغیر اور بے اُسکے بُلائے ہوئے محض قدرت الٰہی سے اور ارشاد باری سے اُس کے پاس آیا ہے بیشک وہ ایک خدا فرستادہ ہدیہ ہے۔ اور شیخ پر اُس کا قبول کرنا واجب اور اُس کے ساتھ اچھے طور پر ادب دینے اور تربیت کا احسان لازم ہے۔ شیخ ایسے مرید کے نفس اور اُس کے مال سے بجز حکم الٰہی کے کوئی فائدہ نہ اُٹھائے اور شیخ کو اس مرید کے

مال سے فائدہ اُٹھائے اور وہ مرید جو مال اُسکے لیے لائے اُسے قبول کرنے کا اختیار دیا گیا ہی۔ کیونکہ جب خدائے پاک نے شیخ کو مرید کی صلاح اور اُسکی نجات کا ذریعہ بنایا ہی تو اُسکے مال میں بھی شیخ کا حصّہ رکھا ہی۔ اب اگر شیخ مرید کے مال سے روگردانی کرے اور نہ لے تو ایسا کرنے کی کوئی سبیل نہیں مل سکتی۔

شیخ کو مناسب ہی کہ مرید سے خیر خواہانہ معاشرت کرے۔ اسپر شفقت کی نظر رکھے اور نرمی و محبت سے اُسکی دلدہی کرتا رہے۔ ریاضت اور مجاہدات شروع کرانے تو پہلے سب سے آسان باتوں سے ابتدا کرے اور مرید کی طاقت سے زیادہ اسپر بار نہ ڈالے۔ پھر رفتہ رفتہ سخت ریاضتوں میں ڈالے۔ مثلاً پہلے اُسے یہ حکم دے کہ ہر بات میں اپنی طبیعت کی پیروی ترک کرے اور جن باتوں کی شرع اجازت دیتی ہی ان کی پابندی کرتا رہے۔ حتیٰ کہ وہ طبیعت کی قید سے نکل کر شرع کی غلامی میں داخل ہو جائے۔ تب اُسے شرعی رخصت یعنی جواز کے دائرہ سے نکالنے اور بتدریج عزیمت کے حلقہ میں لانے کی کوشش کرے۔ اس طرح کہ پہلے ایک جائز خصلت کو محو کرکے اسکی جگہ ایک عزیمت کی خصلت کو قائم کرے اور اگر دیکھے کہ ابتدا ہی میں مرید مجاہدہ میں صادق اور عزیمت میں پختہ ہی اور اسبات کو نورِ الٰہی کی فراست سے دریافت کرے تو پھر مرید سے نرمی اور آسانی کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اُسے ایسی سخت سے سخت ریاضتوں میں بھی ڈالدینا چاہیے جنکی نسبت شیخ کو علم ہو کہ مرید کی قوت ارادیہ ان ریاضتوں کی بجاآوری میں کمی نہ کرے گی۔ شیخ کو مرید کی تربیت میں ہمت سے کام لینا چاہیے۔ اور جب دیکھے کہ مرید کے باطن (سرّ) میں کوئی خلل یا فتور آرہا ہی تو اُسکے قلب کو اپنی توجہ سے سنبھال لے۔ مرید کے راز کو ہمیشہ محفوظ رکھے غیر کو اس حال پر کوئی اطلاع نہ دے کیونکہ یہ مشہور مقولہ ہی کہ "شریفوں کے سینے اسرار کی قبریں ہوتی ہیں" شیخ کو بھی مریدوں کے اسرار کا مخزن ہونا چاہیے وہ طریقِ سلوک کی منزلیں طے کرانے میں مریدوں کی جائے پناہ۔ انکو حوصلہ دلانیوالا

ان کا مددگار اور اُنکے قدمِ ثبات کو استوار کرنے میں کوشاں رہے۔ نہ یہ کہ اُنھیں قصدالی اللہ سے نفرت دلائے۔ شیخ کولازم ہے کہ جوں ہی مرید کی کوئی بری بات دیکھے اُسکو درپردہ نصیحت اور فہمائش کردے اور دوبارہ ویسا کام کرنے سے منع کرے لیکن جب یہ ارادہ ہو کہ مُریدین کی تمام جماعت کو نصیحت کرے تو مناسب ہے کہ سب مریدوں کو جمع کرکے اُنھیں مخاطب بنائے اور کہے: "میں نے سنا ہے کہ تم لوگوں میں سے کوئی شخص یوں یوں کہتا یا کرتا ہے۔ اور پھر اسکے بعد جو کچھ خرابیاں اور اچھائیاں اُن امور کے متعلق بیان کرنا ضروری سمجھے ان کو بیان کرے۔ اُنھیں خدا کی یاد دلائے اور اُسکے عذاب و غضب سے ڈرائے۔ مگر کسی خاص شخص کی تعیین نہ کرے۔ کیونکہ اس میں تنفیر پائی جاتی ہے۔

اور اگر شیخ اپنے مریدوں سے بدمزاجی اور بدزبانی کرے گا۔ یا اُنکے پوشیدہ راز اور عیوب کھولتا رہے گا تو یقیناً مریدوں کے دل ایسے شخص سے نفرت کرنے لگیں گے اور وہ اُسکی صحبت سے دور بھاگیں گے۔ اور ایسا شیخِ طریقت مریدوں کے نزدیک متّہم ہو جائے گا لہٰذا جس شخص کو یہ عادت بہت غالب آجائے اور وہ اِسکا کوئی تدارک نہ کرسکے اُسے لازم ہے کہ اس منصب ہی سے کنارہ کشی کرلے۔ اور مریدوں سے الگ ہو کر پہلے اپنے ہی نفس کو ریاضت و مجاہدہ میں ڈالے اور کسی ایسے شخص کی تلاش کرے جو اُسے ادب دے سکے۔

دوسرا مقام

مُرید کے آداب شیخ کے ساتھ

جسوقت کوئی شخص یہ ارادہ کرے کہ وہ کسی شیخ کی خدمتمیں حاضر ہو کر ادب حاصل کرے تو اُسے سب سے پہلے دل میں اسبات کو جمالینا چاہیے کہ اِس مُلک میں اِس

شیخ سے بڑھکر کوئی اور شیخ موجود نہیں ہی۔ جب وہ اس عقیدت سے شیخ کی خدمت میں جائے گا اُسی وقت اُس سے فائدہ اُٹھا سکے گا۔ اور مرید کا فرض ہی کہ وہ شیخ کی خدمت میں بدل وجان حاضر ہے اور خدا سے عہدِ واثق کرلے کہ شیخ کی اِرادت میں ذرہ برابر کمی نہ کرے گا۔ تاکہ اُس کی زبان سے جو بات نکلے وہ ایسی ہی ہو جو اُس کے شیخ کی شان میں اولٰے ہی۔

مرید ہمیشہ اس بات سے پرہیز رکھے کہ شیخ سے ذرا بھی کھلی ہوئی مخالفت کرے۔ اور دل میں بھی اُسپر کوئی اعتراض نہ پیدا ہونے دے۔ کیونکہ جو مرید بظاہر اپنے شیخ پر معترض ہوتا ہی وہ شیخ کا ادب نہیں کرتا۔ اور دل سے اعتراض کرنے والا مرید شیخ کے قہر کا مستوجب بنتا ہی اور ہلاکت میں پڑتا ہی۔ جو مرید اپنے شیخ کی مخالفت کرتا ہی وہ شیخ کے طریقہ پر باقی نہیں رہتا۔ اور جو شیخ پر اعتراض کرتا ہی وہ اُسکے عہد صحبت کو توڑ ڈالتا ہی۔ جو مرید شیخ کی ہدایت پر یہ سوال کرے کہ کیوں ایسا کرنا چاہیے؟ اُسے ہرگز کوئی کامیابی نہ حاصل ہوگی۔ اور جو مرید شیخ کے حکم کی بجاآوری میں لیت ولعل کرے گا وہ اپنے تئیں ہلاکت کے غاروں میں گراتا ہی۔

مرید کو چاہیے کہ شیخ کی تعظیم اور اُسکے احترام میں بہت زیادہ کوشش کرے اور اپنے احوال واسرار کو شیخ سے ذرا بھی نہ چھپائے۔ شیخ اُسکو جو حکم دے اُسپر کسی اور کو کبھی مطلع نہ کرے۔ مرید کی بے ادبیوں کے مقتضٰے پر شیخ اُسے کوئی اَدب دے تو مرید کو کامل اطاعت کرنا چاہیے۔ اور اگر شیخ کے حکم کی تعمیل میں اس سے کوئی قصور ہو جائے تو فوراً شیخ کو بتادینا چاہیے۔ تاکہ شیخ اُس قصور کے بارہ میں کوئی رائے قائم کرے اور مرید کی توفیق و تیسیر وفلاح کے واسطے دعا فرمائے۔

مرید اُسوقت تک شیخ کو ہرگز نہ چھوڑے جبتک واصل باللہ ہو کر شیخ کی رہنمائی اور تادیب سے مستغنی نہو جائے۔ کیونکہ جب وہ خدا تک پہنچ گیا تو پھر خود باری تعالٰے اُسکی تربیت کا ذمہ دار ہو جاتا اور اُسے ایسے معانی کے ادراک کی توفیق عطا کرتا ہی جو شیخ پر بھی پوشیدہ

رہے تھے۔ اور خدا جو عمل چاہتا ہی اپنے بندہ سے لیتا ہی۔ وہ آپ ہی اُسے امر و نہی فرماتا ہی۔ بسط و قبض میں ڈالتا ہی۔ غنی اور فقیر کرتا ہی تلقین فرماتا ہی اور اپنی مقرر کردہ قسمتوں اور مقدرات پر اُسے آگاہ کر کے بتا دیتا ہی کہ اِسکا آخری انجام کیا ہونے والا ہی۔ اور اب بندہ اپنے رب کے ساتھ ہو کر غیر اللہ سے مستغنی ہو جاتا ہی۔ بلکہ اُسے دوسرے کی طرف توجہ کا وقت ہی نہیں ملتا۔ اور ہر دم اپنے رب کی خدمت اور توقیر کے سوا کسی شے کی اُسے گنجائش ہی نہیں ملتی۔ اور ایسے وقت میں مرید اپنے شیخ سے خود بخود منقطع ہو کر الگ ہو جاتا ہی۔ وہ خود علیحدگی کا قصد بھی نہیں کرتا۔

مرید کو شیخ کے حضور میں بلا ضرورت بات نہ کرنا چاہیے۔ اور نہ اپنے نفس کے اوصاف میں سے کسی وصف کا اظہار مناسب ہی۔ بجز وقت نماز کے اور کسی وقت شیخ کے سامنے اپنا سجادہ نہ بچھائے۔ اور جوں ہی نماز پڑھ چکے فوراً اپنا سجادہ لپیٹ کر الگ کھدے اپنا سجادہ شیخ کے سجادہ کے قریب اُسوقت تک نہ لیجائے جبتک کہ شیخ اسبات کا خود حکم نہ دے۔ شیخ سے کسی چیز کی اجازت نہ مانگے۔ اور جن چیزوں کو خدا کے واسطے چھوڑ دیا ہو پھر اُنکے پاس بھی نہ جائے کیونکہ یہ گناہ کبیرہ ہی۔

اگر شیخ مرید سے غضبناک اور ترش رو ہو جائے۔ یا اُس کی کوئی ناخوشی اور روگردانی عیاں ہو تو مرید کو شیخ کی خدمت سے الگ نہ ہو جانا چاہیے بلکہ اپنے باطن کی تلاش کرے اور اپنے ہی دل کو ٹٹولے کہ آخر اُس سے شیخ کی شان میں کیا گستاخی ہوئی ہی یا اُس نے احکام خداوندی میں کوئی کمی کی ہی یعنی کسی حکم کی بجا آوری کو ترک کر دیا ہی۔ یا کسی نہی کا مرتکب ہو گیا ہی۔ اور جب اِنمیں سے کوئی بات پائے تو فوراً خدا کی جناب میں توبہ و استغفار کرے۔ اور دل میں ٹھان لے کہ آیندہ پھر ایسا کام کبھی نہ کرے گا۔ اور خدا سے توبہ و استغفار کرنے کے بعد شیخ کی خدمت میں معذرت خواہ ہو۔ عاجزی خوشامد اور خدمت گزاری کے ذریعہ سے اُسکو اپنے حال پر مہربان بنا لے۔ اور اپنا قصور معاف

کرالے - نیز آئندہ پھر ایسا کام نہ کرکے شیخ کا محبوب و عزیز بن جائے - اس کے کسی حکم سے کبھی سرتابی نہ کرے - نہ اس سے ذرہ برابر مخالفت ظاہر کرے - بلکہ شیخ کو اپنے اور اپنے پروردگار کے مابین واسطہ بنائے - اور اُسے ایک ایسا رستہ سمجھے جس پر چل کر خدائے تعالیٰ تک رسائی ہوتی ہے -

اگر مرید کو شیخ کی کوئی ایسی بات نظر آئے جو شرعًا بری ہے - اور شیخ سے اُس کی نسبت سوال کرنا منظور ہو تو اشارہ و کنایہ سے یا ضرب المثل کے طور پر دریافت کرے - کیونکہ تصریح سے نفرت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے -

اور اگر شیخ میں کوئی عیب دکھائی دے تو اُسکی پردہ پوشی واجب ہے - بلکہ شیخ کو عیب سے بری اور خود اپنی نظر کی کوتاہی مانے - اور شرعی اعتبار سے شیخ کے عمل کی کوئی تاویل نکال لے - ہاں اگر شرعًا کوئی تاویل نہ بن سکے اور کوئی عذر شرعی بھی شیخ کے متعلق نہ مل سکے تو اُسکے حق میں مغفرت اور توفیق خیر کی دعا کرے اور خدا سے اُسکو گناہوں سے محفوظ رکھنے کی التجا کرے - یہ ہرگز خیال نہ کرے کہ شیخ کو معصوم ہونا چاہیے - اور کسیکو شیخ کے عیب کی خبر نہ دے -

پھر اگر یہ دیکھے کہ کسی دن یا کسی وقت شیخ نے دوبارہ وہی کام کیا ہے تو یہ خیال کرے کہ پہلا عیب تو جاتا رہا ہے اور اب شیخ نے سابقہ رتبہ سے کسی دوسرے بلند رتبہ پر ترقی پائی ہے مگر ابھی اُسے اِس نئے رتبہ میں استقلال اور قرار نہیں حاصل ہوا ہے -

اگر شیخ کے حضور میں مرید کے سامنے کوئی سوال پیش ہو اور مرید اُس سوال کا قطعی اور فیصلہ کُن جواب جانتا اور دے سکتا ہے پھر بھی مرید کو خاموش ہی رہنا چاہیے اور اس بات کو غنیمت سمجھنا چاہیے کہ خدائے پاک اُسکے شیخ کی زبان سے کیا کہلاتا ہے - جو کچھ شیخ سے سنے اُسکو دل و جان سے قبول کر کے اُسی پر عمل کرے - اور اگر یہ دیکھے کہ شیخ کے جواب میں کوئی نقصان ہے یا کمی ہے تب بھی اُسپر کوئی اعتراض نہ وارد کرے بلکہ اس

بات کا شکرادا کرے کہ حق تعالے نے اُسے خاص علم و فضل اور نور باطن عطا کیا ہے۔ اور اِن سب باتوں کو اپنے دل ہی میں چھپائے رہے۔ زیادہ باتیں نہ بنائے۔ اور نہ یہ کہے کہ شیخ نے اس سوال میں غلطی کی ہے۔ شیخ کے کلام کو کبھی نہ توڑے۔ ہاں اگر بے قابو ہو کر کچھ کہہ بیٹھا ہو تو فوراً سکوت اور توبہ سے اُس کا تدارک کر دے۔ اور یہ عزم کرلے کہ آیندہ ہرگز ایسا نہ کرے گا۔

تیسرا مقام

فقر میں فقیر کے آداب

فقیر کو اپنے فقر کی ویسی ہی لاگ ہونی چاہیے جیسے کہ دولتمند کو اپنے تموّل اور دولت کی لاگ ہوتی ہے۔ ہر وقت یہی خیال رہے کہ کہیں اِسکا فقر زائل نہو جائے۔ خدا سے کبھی یہ سوال نہ کرے کہ اُس کا فقر دور کیا جائے۔ اور نہ اسباب ظاہری کے ذریعہ سے اپنے فقر کو دور کرنے میں کوشاں ہو۔ ہاں عیال کی پرورش اور بسر اوقات کے لیے یا عفّتِ نفس کے واسطے اسباب ظاہری کو کام میں لانا کوئی مضائقہ نہیں رکھتا۔ مگر اِسکی بھی یہ شرط ہے کہ بقدر کفایت تحصیل معاش پر رُک جائے۔ اور اپنی ضرورت سے زائد اسباب سے کوئی سروکار نہ رکھے۔ فقیر کا اسباب کسب و عمل کو اخذ کرنا بجاآوری امرِالٰہی کے طور پر اور اِس خوف سے ہونا چاہیے کہ کہیں کسی گناہ میں نہ مبتلا ہو جائے۔ کیونکہ اپنے نفس کا حق نہ دینا بھی حرام ہے۔ اور نفس کا حق نہ دینا یہ ہے کہ کھانا، پانی اور لباس کو ترک کر دے اور اُنکی اِتنی مقدار بھی استعمال میں نہ لائے جو انسانی جسم کے قائم رکھ سکنے اور اُسکو احکام الٰہی کی بجاآوری کی قوت دینے کے لیے ضروری ہے۔ ہاں حظِّ نفس کو ترک کر دے۔ اگر وہ حظّ اُس کی قسمت میں ہے تو خود بخود اُسکی طرف کھنچ آئے گا اور خدائے پاک آپ ہی اُسے دیدے گا۔ فقیر کو کبھی حظّ کی طرف توجہ نہ کرنا چاہیے۔ مگر یہ کہ مثلاً بیمار ہو اور

طبیب اُسے کوئی مزہ دار چیز بتائے یا آرام و آسائش کی ہدایت کرے تو اُسے بطور دوا کے استعمال کرلے۔

فقیر کو اپنے فقر سے اسقدر زیادہ لذّت گیر ہونا چاہیے کہ اُتنا دولتمند اپنی دولت سے لذّت گیر نہو سکے۔ فقیر کو چاہیے کہ اپنی ذِلّت، اپنی گمنامی، اپنی کس مپرسی اور بے کسی کو بہت ہی عزیز رکھے اور اُسپر ناز کرے۔ اگر دنیا کے آدمی اِس کی طرف متوجّہ نہوں اور اسکے پاس آنے اور اُسے اپنا مرجع بنانے سے دور رہیں تو اِسے بہت غنیمت اور اپنی خوش قسمتی سمجھے۔

فقر کی ایک شرط یہ ہی کہ جسوقت فقیر کا ہاتھ مال سے خالی ہو اُسوقت اُس کا قلب صفاء حال کیوجہ سے بہت قوی پایا جائے۔ جتنی فتوح کی آمدنی کم ہو فقیر کے قلب کی پاکیزگی اور صالحین کے نشان (فقر) پر اُسکی خوشی بڑھے۔ لیکن اگر تنگدستی اِس کے دل کو متوحش بنائے تو پھر جان لینا چاہیے کہ فقیر فتنہ میں پڑ گیا ہی اور اس نے اپنے فقر کو گُناہ میں آلودہ کیا ہی۔ اُسے خدا کی طرف توبہ اور رجوع کرنے کی ضرورت ہی اور اپنے باطن کی تفتیش و تنقیر اور لوم نفس کی دوامی حاجت۔

فقیر کا حق یہ ہی کہ وہ جتنا زیادہ کثیر العیال ہو اُسی قدر زیادہ اُس کا قلب رزق کے بارہ میں ساکن اور خدا پر بھروسہ کامل کرنے والا ہو۔ وہ ظاہری کسب کے ذریعہ سے اپنے بال بچوں کی گذر اوقات کے لیے کمائی کرنے کو حکم الٰہی کی تعمیل سمجھکر کوشش کرے اور اپنے دل میں اطمینانِ کامل رکھے کہ خدا نے جو وعدہ روزی دینے کا کیا ہی وہ ضرور پورا ہوگا۔ وہ اپنے دل میں یقین کرلے کہ اُسکے بال بچوں کا رزق خدا نے مقرر فرما دیا ہی اور وہ اُسے ضرور پہنچائے گا۔ کسی آدمی یا غیر اللہ سے کچھ شکایت نکرے۔ پس اپنے خدا ہی سے شکایتیں کرتا ہے۔ اور اپنی حاجتیں اُسی کے حضور میں عرض کرے۔ خدا ہی سے یہ دعا کرتا ہے کہ وہ اُسکو صبر کی توفیق دے اور عیال کا حق ادا کرنے کے بارہ میں اپنے حکم

کی بجاآوری پر موفق فرمائے۔ خدائے پاک نے اہل وعیال کی خبرگیری اور کفالت کا جو بار اسپر ڈالا ہے۔ اِسے مرضی اور قضائے ایزدی مان کر اُسی پر راضی رہے۔ اور خدا ہی سے درخواست کرے کہ وہی اس کے عیال کا رزق آسان ذریعہ سے مُیَسّر فرمائے۔ بیشک باری تعالے جلّ شانہٗ مجیب اور قریب ہے۔ اور وہ اپنے بندہ کو آزمائش میں ڈالتا ہے۔ تاکہ اُسے کبر اور نخوت سے نکال کر اپنے حضور میں ذِلت، تواضع اور اظہارِ حاجت کا شرف عطا کرے۔ اور جسوقت بندہ اِس کام کو پورا کرلے اُسی وقت فوراً اُسکی دعا سنتا اور اُسے دنیا میں کشائش کار اور آخرت میں ثواب عظیم عطا فرماتا ہے۔

فقیر کو مستقبل کی فکر کبھی نہونی چاہیے۔ بس وہ اپنے حال کو محفوظ رکھے۔ اور خود اپنے لیے کبھی کسی حالت کو پسند نہ کرے کہ اِس میں داخل ہو اور پہلے سے اس میں داخل نہ تھا بلکہ اسباب کا منتظر رہے کہ خدائے پاک محض اپنی مرضی اور قدرت سے اُسے جس حال میں چاہے رکھے۔ خود فقیر اپنے نفس کو کسی حال یا مقام میں پہنچانے اور فایز کرنے کا کوئی ارادہ نہ کرے۔ تاآنکہ حکم الٰہی آجائے اور وہ فعل اللہ کے ذریعہ سے ایک حال سے دوسرے حال میں یا ایک مقام سے دوسرے مقام میں منتقل ہو۔ کیونکہ فقیر کے لیے یہی بات سب سے بہتر ہے۔

فقیر کو ہر ساعت اور ہر دم موت کے لیے تیار اور اُس کا منتظر اور مترقب رہنا چاہیے۔ تاکہ یہ بات اُسے راضی برضا رکھنے، مصائب کو برداشت کرنے، امیدوں کو کم کرنے میں اُسکی مددگار بنے۔ اور فقیر کو اپنے قلب سے مخلوق کی یاد نکال ڈالنی چاہیے۔ اور اگر کوئی دولتمند آدمی کسی فقیر کے پاس آئے تو فقیر کو مناسب ہے کہ جو کچھ نان و نمک یا میوہ اور پھل اُس کے پاس ہو اخلاقاً اُسکو کھلائے۔ چاہے وہ چیز بہت ہی قلیل و حقیر کیوں نہو۔ اس لیے کہ فقیر کا قلب اسباب سے محترز ہوتا ہے اور وہ ایثار کرنے میں دولتمند سے بڑھکر ہے۔ لیکن اگر فقیر خود عیال دار ہو اور گزرا وقات کی تنگی محسوس کرتا ہو تو

اُسے اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ اپنا ماحضر دولتمند آدمی پر ایثار کرے۔ ہاں اگر اسکو یہ معلوم ہو کہ اُسکے عیال بھی اس ایثار کو بطیب خاطر گوارا کرینگے اور صبر و رضا اور معرفت اور یقین میں اُس کے ہم قدم ہونگے تو بیشک ایثار کرسکتا ہے۔

فقیر کو تنگدستی کی حالت میں بھی احتیاط کے ساتھ ورع کی پابندی ہرگز نہ چھوڑنی چاہیے۔ یعنی اس حالت میں بھی وہ عزیمت کو چھوڑ کر ایسی باتیں اختیار نہ کرے جنکی رخصت اور اجازت دی گئی ہے۔ کیونکہ جو شخص کامل ورع نہیں رکھتا ہے وہ ضرور حرام کھاتا ہے۔

چوتھا مقام

آداب معاشرت

فقیر کو مناسب ہے کہ اپنے برادران طریقت کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرے۔ اُن کے ساتھ شگفتہ روئی کے ساتھ ملے جُلے اور منہ بنا کر یا تیوری چڑھا کر کبھی نہ ملے۔ اگر برادران طریقت کو کسی ایسے کام میں مصروف دیکھے جسکو شرع نے مباح کیا ہے تو اُن سے مخالفت نہ کرے۔ ہاں مخالفِ شرع اُمور میں اُنسے اختلاف کرنا ضروری ہے۔

فقیر کو بناوٹ، خوشامد اور زمانہ سازی سے دور رہنا چاہیے۔

اپنے برادران طریقت کی ہمیشہ موافقت شرع پر امداد کرتا ہے۔ اور اگر وہ لوگ اُسکی ذات کے خلاف کوئی بات کریں یا کہیں تو اُسے برداشت کرتا ہے۔ فقیر کو صابر ہونا چاہیے۔ وہ کینہ توز نہو۔ اور کسیکی بداندیشی نہ کرے۔ کسی کے ساتھ مکر و فریب کرنا اور چالبازی سے کام لینا فقیر کا شیوہ نہیں ہے۔ فقیر کو کسی کی غیبت نکرنی چاہیے۔ اور نہ اُنکے سامنے کوئی بُری بات زبان پر لانا چاہیے۔ اگر کوئی بھائی موجود نہو اور اُس کے حق میں کوئی بری بات کہی جائے تو اُس کے بچاؤ کی کوشش کرے۔ اور جہاں تک ہوسکے

بھائیوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اگر کوئی ہم طریقہ بھائی بیمار ہو جائے تو اُسکی مزاج پُرسی کو جائے۔ اور کسی مصروفیت کی وجہ سے بیماری کے دوران میں نہ پہنچ سکے تو مبارکبادِ صحت دینے ضرور جائے۔ مگر جب خود بیمار ہوا اور کوئی طریقہ کا بھائی اِسکی بیمار پُرسی کو نہ آئے تو اُسے معذور خیال کرے اور اُسکی طرف سے کبیدہ نہ ہو۔ بلکہ جب وہ بیمار ہو تو آپ اُسکی عیادت کو جائے۔

فقیر کو چاہیے کہ جو آدمی اُس سے جدا ہونا چاہے خود اُس سے ملے۔ اور جو اُسکو محروم بناتا ہو آپ اُسے مالی مدد دیتا ہے۔ اور جو شخص اُس پر ظلم و زیادتی کرے اُسے معاف دیدے۔ اگر کوئی ہمطریقہ بھائی اسکے ساتھ کچھ بدسلوکی کر گذرے تو اپنے دل میں اُس کو ایسا کرنے پر معذور تصوّر کرے اور خود اپنے آپ کو ملامت کرے کہ وہ ایسا ہی تھا جو اُس سے اِس قسم کی بدسلوکی گئی۔

فقیر اپنے تمام مال واملاک کو برادرانِ طریقت کے لیے مباح خیال کرے جس کا جو جی چاہے وہ اسکے مال میں سے لے جائے۔ مگر خود کسی کی چیز کو بے اجازت ہاتھ نہ لگائے اور اپنی تمام باتوں میں وَرع کا خیال رکھے۔

اگر کوئی برادرِ طریقت اُسکے کسی مال کو اُس سے مانگے تو فوراً نہایت خندہ پیشانی اور کشادہ دلی سے وہ چیز اُس کی نذر کردے اور اس بات کا احسان مانے کہ ایک بھائی نے اُسکی چیز طلب اور اپنی ضرورت اُس سے کہنے کا اُسے اہل خیال کیا۔ اور اُس کی امداد قبول کر لی۔

خود جہاں تک ہو سکے کسی سے کوئی چیز عاریتاً نہ مانگے۔ اور اگر اس سے کوئی کسی چیز کو مانگ لیجائے تو جہاں تک ممکن ہو اُس سے وہ چیز واپس لینے کی کوشش نہ کرے۔ کیونکہ مانگے دی ہوئی چیز کا واپس مانگنا جوانمردی کے مناسب حال نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ غیر ممکن ہو تو بھی جو شخص کسی چیز کو مانگے وہ اُسے ورا دیدے اور نہیں نہ کرے۔ چاہے وہ ہر روز مانگنے

کو کھڑا رہے۔
فقیر اپنی ہر چیز کو خدا ہی کی مِلک سمجھے اور خیال کرے کہ وہ اور باقی تمام آدمی سب اللہ کے بندے ہیں۔ اور خدا کی مِلک میں سب آدمی برابر کے حقدار ہیں۔ لیکن جو چیز غیر کے ہاتھ میں ہو اُسکے بارہ میں شرع اور ورع کے حکم پر عمل کرے اور حدودِ شرع کو محفوظ رکھے
اگر فقیر کو تکلیف و پریشانی یا فاقہ کشی کا سامنا ہو تو اُسے تا امکان اپنی حالت کو دیگر برادرانِ طریقت سے مخفی رکھنا چاہیے۔ اور ایسے ہی اپنے فکر و رنج کا بھی کسی پر اظہار نہ کرے بلکہ اگر دیکھے کہ برادرانِ طریقت باوجود رنج و فکر میں مبتلا ہونے کے بظاہر مسرت و شادمانی کر رہے ہیں۔ تو آپ بھی دکھاوے کے طور پر اُنکی خوشی میں شریک ہو جائے اور اُن پر کسی طرح اسباب کو ظاہر نہ ہونے دے کہ وہ اُن کے رنج و تردد سے باخبر ہے۔
فقیر کو کسی بات سے گھبراہٹ اور وحشت پیدا ہو تو اُسے حُسنِ خُلق کی گفتگو کرنی چاہیے۔ اور اپنے قلب کو ٹھیک کر لے تاکہ وحشت جاتی رہے۔ فقیر کو ہر آدمی کے ساتھ نفسانیت کے قاعدے سے ملنا جلنا چاہیے نہ خود اُس کو اُسکی حد سے زیادہ کسی امر کی تکلیف دے اور نہ اپنے موافق بنانے پر زور ڈالے۔ اور نہ اُسکے لیے خود اِن باتوں پر عامِل ہو۔ بلکہ آدمی کے عادات و خصائل میں اُس کی متابعت کرے۔ مگر اس بات کا خیال رکھے کسی خلافِ شریعت امر میں دوسرے کی پیروی نہ کرنی چاہیے۔
فقیر کو اپنے سے کم درجہ والے کے ساتھ محبّت سے پیش آنا چاہیے اور اپنے بڑے مرتبہ والے کی عزّت و تعظیم مرعی رکھنا لازم ہے۔ اور ہم مرتبہ اشخاص اور والوں سے یوں برتاؤ کرے کہ اُن پر ہمیشہ مہربانی کرے۔ اُنکی ضرورتوں پر اجتیں قربان کرتا رہے۔ اور اُن کے ساتھ نیک سلوک کرنے سے کبھی نہ چوکے۔

مقامِ پنجم

فقیروں کے آدابِ طعام

فقیر نہ تو حرص اور بھوکے پن سے کھانا کھائے۔ اور نہ ٹونگ ٹونگ کر اور غفلت کے ساتھ۔ بلکہ کھاتے وقت خدا کا نام ضرور لیں۔ اور اسباب کو کبھی نہ بھولیں۔ اپنے سے بالاتر لوگوں کے قبل کھانے پر ہاتھ نہ بڑھائیں۔ پہلے بڑے ہاتھ ڈالدیں تب آپ بھی کھانے کو ہاتھ لگائیں۔ ساتھیوں میں سے کسیکو یہ نہ کہیں کہ کھانا کھاؤ۔ یا اَجی کھاؤ بھی۔ اور نہ اعزاز یا محبّت کی راہ سے اپنے سامنے کی کوئی شے دوسرے کے سامنے رکھیں۔ کیونکہ یہ کام صرف میزبان کا ہے۔ اور وہ ایسا کرے تو گویا آدابِ میزبانی بجالاتا ہے۔ میزبان سے یہ فرمائش نہ کریں کہ تم بھی ہمارے ساتھ کھاؤ۔ اور کھانا کھانے میں کھانے کی کوئی تعریف نہ کریں۔

فقیر کو دسترخوان پر جسجگہ بٹھا دیا جائے وہاں سے ہرگز نہ ٹلے۔ ہاں اگر کوئی دوبارہ اور جگہ بیٹھنے کو کہے تب کوئی حرج نہیں۔ اگر کوئی دوسرا شخص اُسکے ساتھ کھانا کھا رہا ہو تو جب تک وہ ہاتھ نہ کھینچ لے خود بھی طعام سے دستکش نہو۔ تاکہ اُس کا ساتھی شرما کر کھانے سے باز نہ رہے اور بھوکا نہ اُٹھ جائے۔

جبتک فقیر کھانا کھاتا رہے اُسکے سامنے سے کبھی کھانا نہ اُٹھانا چاہیے۔ اور جہانتک ممکن ہو ساتھیوں کو کھانے میں مدد دے۔ بشرطیکہ یہ امداد کسی طور پر خلاف ضابطہ نہو۔ گو خود بھوکا نہو پھر بھی اُنکا ساتھ دیئے جائے تاکہ وہ بھوکے نہ اُٹھیں۔ دسترخوان پر کسی اور کو اپنے ہاتھ سے لقمہ بنا کر دینا مناسب نہیں۔ اور جب پانی پیش کیا جائے تو ضرور تھوڑا سا پی لے پانی پلانے والے کو خالی واپس نہ پھیرے۔ اگر خود میزبان مہمانوں کی خدمت گذاری کے لیئے اِستادہ ہو تو اُسے منع نہ کرنا چاہیے۔ ایسے ہی وہ ہاتھ دھولانا چاہے تو اس بات سے بھی

اُسے نہ روکیں۔
فقیر کو لازم ہے کہ دولتمند آدمیوں کے ساتھ کھانا کھائے تو اپنے تئیں لیے دیے رہے اور فقیروں کے ساتھ شریک طعام ہو تو اُن پر ایثار کرے۔ اور برادرانِ طریقت کے ساتھ کشادہ دلی اور خوش مزاجی سے بات چیت کرتا ہوا کھاتا ہے۔
فقیر کے دل میں کھانے کا خیال اُسی وقت آنا چاہیے جبکہ کھانا سامنے آجائے بھوک کی خواہش ہوتے ہی کھانے کی فکر کر لینا یا اُس کی تلاش میں دوڑنا مناسب نہیں سامنے آجائے اور ملے تو بقدرِ ضرورت کھالے ورنہ کوئی پروانہ کرے۔
تلاش نان کی فکر اور پیٹ بھرنے کی خواہش میں غرق ہو کر یاد الٰہی سے غفلت نہ کرے کیونکہ ممکن ہے کہ رزق اُس کی قسمت ہی میں نہو اور وہ اُسے کبھی حاصل نہ کر سکے۔ تو فکرِ نان میں خدا کی یاد بھول کر اُس کی طاعت سے غافل اور اپنی حالت کے مراقبہ سے دور ہوگا لیکن اگر روٹی کی فکر سے باز آ کر اپنے حال میں مشغول رہے گا تو غفلت ذکر کے وبال سے بچیگا۔ اور جو رزق مقسوم ہے وہ خود بخود اُسے مل رہے گا۔ چنانچہ جسوقت جو کچھ بھی ملے اُسکو سچی خواہش اور رغبت سے کھالے۔ اور خدا کا شکر ادا کرے۔ ہر دم کھانے ہی کی فکر میں نہ لگا رہے۔ کیونکہ اگر اس سے دل لگایا تو یہی ذکر اور فکر رکھے گا اور ثابت کرے گا کہ اِس کا نفس مریض ہے۔ اب ایسی حالت میں لازم ہے کہ کھانے پینے اور دیگر خواہشوں سے بالکل پرہیز کرے۔ تاکہ قلب کا مرض زائل ہو اور اُسے شفا حاصل ہو جائے۔ کیونکہ انسان کی خواہشِ نفسانی اور اُس کا ارادہ اور اسکی تمنا یہی مرض ہے۔ اور اِس کا طبیب اور چارہ گر پروردگار پاک ہے۔ اس لیے اگر اپنے کسی بندہ کی معرفت پرہیزگار مریض درویش کے لیے کھانا پانی بھجوا دے تو پھر اُسے شوق سے کھائے اور اُسے داروئے شفا اور اپنی عافیت کا ایسا نسخہ تصوّر کرے۔ کہ اِس کے سوا کوئی اور علاج ہی نہو۔ اور اِسکے بعد پھر اپنے حال کی نگہبانی میں مشغول ہو جائے۔ مراقبہ میں مصروف ہو۔ اور اشیاء کا خیال اپنے قلب سے

خارج کرکے۔ اپنی تمام حرکات وسکنات میں خدائے پاک وبرتر ہی کی طرف راجع اور مائل رہے۔

چھٹا مقام

آدابِ معاشرتِ فقرا

فقیروں کو چاہیے کہ یارانِ طریقت سے اپنی کوئی چیز دریغ نہ رکھیں۔ کپڑے۔ جانماز۔ کھڑاؤں وغیرہ جو کچھ اُن کی مِلک ہو اُس کو ہر شخص کے واسطے وقف سمجھیں۔ اگر کوئی ہم مشرب بھائی اُنکی جانماز پر آ بیٹھے یا اُس پر پاؤں رکھکر چلا جائے تو اُس سے ناخوش نہوں ہاں خود دوسرے کے سجّادہ پر کبھی قدم نہ رکھیں۔ نہ اپنا سجّادہ اُس جگہ بچھائیں جہاں کوئی اُن سے بڑے رُتبہ کا درویش سجّادہ بچھاتا ہو۔

کوئی دوسرا شخص فقیر کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہے تو فقیر کو چاہیے کہ اُسے منع نہ کرے ہاں خود کسی کے کندھے پر ہاتھ نہ رکھے۔ اور نہ کسی دوسرے فقیر سے اپنی خدمت لے خود جہاں تک ہوسکے دوسروں کی خدمت کرتا رہے۔ بلکہ فقیروں کے پاؤں تک دابے اور اگر کوئی شخص ارادہ کرے کہ اُس کے پیر داب دے تو اُسے روکے بھی نہیں۔

فقرا حمام میں نہانے جائیں تو حمامی کو اسباب کا موقع دینا خلافِ ادب ہو کہ وہ اُن کے جسم کو ملکر نہلائے۔ خود ہی اپنا بدن مَل دَل کر نہالینا چاہیے۔ مگر کوئی حمامی خود یہ چاہے کہ درویش کا بدن مَل کر اُسے نہلائے تو درویش کو اُسے منع کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہو۔

فقیروں کا شیوہ ہونا چاہیے کہ اگر وہ دیکھیں کہ کوئی اور فقیر اُنکی گُدڑی سجّادہ یا کسی دوسری شے کو پسند کی نظر سے دیکھتا اور اچھا خیال کرتا ہو تو فوراً وہ شے اُس فقیر کو دیڈالیں اور اُس شے کا ایثار کر دیں۔

ایسے ہی کھانے کے وقت فقیروں کو اپنا منتظر رکھنا درست نہیں - بلکہ ہر بات میں جس سے کسی کے دل کو تکلیف پہنچے احتیاط رکھے اور کسی کو تکلیف نہ پہنچائے - نہ کسی کو اپنا منتظر بنائے - کیونکہ انتظار کرنے والے کو یہ بات بہت ناگوار گذرتی ہی کہ اُسے دوسرے کی راہ دیکھنی پڑے - اِس لیے اگر جب کسی فقیر کو کھانا کھلانا چاہیے تو اُسے بٹھا کر انتظار کی ساعت شماری نہ کرائے - بلکہ جو موجود ہو فوراً کھلا پلا کر رخصت کرے -

فقیروں کو جو میسّر آئے اُس میں سے کچھ بھی دوسرے وقت کے لیے ذخیرہ کرنا مناسب نہیں ہی - اور جب فقیروں کو باہم مل کر کھانا ہو تو جسکے ذمہ کھانا کھلانا ہی وہ اُسوقت تک خود نہ کھائے جب تک کہ دوسرے فقراء نہ کھالیں - پھر جو بچ رہے اُسے آپ کھائے - اور تاامکان اسبات کی بہت کوشش کرے کہ فقیروں کو جو کھانا کھلاتا ہی وہ بہت ہی صاف وستھرا ہو - اور اُن کو مرغوب وموافق ہو سکے -

فقیر اگر کسی گروہ اور جماعت کے ساتھ رہتا ہی تو اُسے کوئی چیز ساتھیوں سے الگ ہو کر کھانا یا لینا مناسب نہیں - اگر خدا اُسے کچھ بھجوائے تو چاہیے کہ اُس چیز کو سب کے سامنے بیچ میں رکھدے اور سبکو اسمیں شریک کرلے -

اگر فقیر ساتھیوں کے گروہ میں رہتا ہی اور وہ بیمار ہو کر اسبات کی ضرورت پائے کہ کوئی خاص دوا استعمال کرے تو رفیقوں سے اجازت حاصل کرلے - اُنسے پوچھے بغیر دوا بھی نہ پیے -

فقیر کسی خانقاہ یا مدرسہ میں وارد اور قیام پذیر ہو تو اگر اِس خانقاہ یا مدرسہ کا کوئی شیخ اور خادم ہی تب اُسکے ماتحت رہنا ضروری سمجھے - اور بغیر اُسکی رائے لینے کے کوئی کام نہ کرے - اور کسی قوم یا جماعت کے یہاں جائے تو اُنکی حالت کے موافق اُن سے برتاؤ کرے اور اس طرح مِل جُل کر رہے کہ وہ اِسے یار شاطر سمجھیں نہ کہ بار خاطر -

فقیروں کے مجمع میں بلند آواز سے تسبیح وتہلیل اور قرأت نہ کرے - بلکہ اِن باتوں کو

اُن سے چھپا کر کرنا چاہیے۔ یا آہستہ او خاموشی سے دل میں یادِ الٰہی کر کے باطنی عبادت کا لُطف حاصل کرتا ہے۔ اور اگر خاص اہلِ دل لوگوں میں سے ہو جو صاحبِ اسرار ہوتے ہیں تو پھر اُسپر اس بارہ میں کوئی زحمت ہی نہیں ہونے کی۔ پھر جب وظیفہ و عبادت کے لیے یہ حکم ہے تو بات چیت یا کوئی اور بات بلند آواز سے کرنا کب ٹھیک ہوگا۔

اگر فقیر کسی جماعت کے مابین ہو تو اُن سے ہٹ کر کسی کے ساتھ سرگوشی اور رازکی باتیں نہ کرے۔ اور تا امکان فقیروں کے درمیان بیٹھ کر دنیا کی باتوں اور کھانے پینے کے ذکر سے قطعاً محترز رہے اور اُنکے سامنے بہت سی نفل نمازیں بھی نہ پڑھے۔ روزہ رکھنے کے بارہ میں یہ ہے کہ اگر سب جماعت روزہ رکھے تو خود بھی اُنکا ساتھ دے۔ اور ایسے ہی جب وہ افطار کریں تو خود بھی افطار کرلے۔ ایسا کبھی نہ کرے کہ اِن سے الگ ہو کر تنہا خود روزہ رکھ لے۔

اگر درویشوں کا ساتھ ہے تو اسباب کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ جب وہ جاگتے ہوں تو خود اُنکے مابین نہ سوئے۔ لیکن اگر نیند بہت غلبہ کرے تو اُن سے الگ ہو کر صرف اتنی دیر تک لیٹ رہے کہ نیند کا زور کم ہو جائے۔ یا قدرے آرام لے لے۔

اگر فقیر سے کوئی اور فقیر کسی شے کو طلب کرے تو اُس کی بات نہ ٹالے اور نہ اِسکا سوال رد کرے۔ جو کچھ ہو سکے فوراً دیدے۔ خواہ وہ قلیل ہی مقدار میں ہو۔ اُسکے دِل کو انتظار کی اذیت نہ دے۔ اگر کوئی اُس سے مشورہ طلب کرے تو اُسے جلدی سے جواب نہ دیدے اور نہ اُس کی بات کاٹے۔ بلکہ صبر سے جو کچھ وہ کہتا ہے سب سنکر سمجھ لے۔ اور جب وہ اپنی بات پوری کر چکے اور دیکھے کہ اُسکا خیال ٹھیک نہیں ہے۔ تو پہلے اُسکے ساتھ موافقت کرے اور کہے کہ آپکا خیال درست ہے۔ مگر ایک صورت تو یہ ہے جو آپنے کہی اور دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس طرح کی تمہید سے اُس کو نہایت مناسب اور درست رائے اور صلاح پیش کرے۔ اور اس نرمی اور لُطف سے کہ صلاح لینے والا بھی اُسے مان ہی جائے۔

سختی اور بدمزاجی یا خشکی اور ترشروئی کا نام بھی پاس نہ آنے دے۔

مقام ہشتم

فقرائے کے آداب اہل وعیال کے ساتھ

فقرا کو بال بچوں سے خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آنا مناسب ہے۔ اور اُنکو موافق دستور دل کھول کر خرچ برچ دینا چاہیے۔ مگر تا امکان قوت اور امکان سے باہر خرچ کا بار اُٹھانے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اگر فقیر کے پاس ایک دن کا خرچ موجود ہو تو اُسکے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ کل کی فکر کرے اور اُسکے واسطے کچھ ذخیرہ کرے۔ بس فی الحال جو ضرورت ہے اُسکو روا کرلے۔ اور پھر کچھ بچ رہے تو اُسے اپنے لیے نہیں بلکہ عیال کے واسطے ذخیرہ کردے خود کھائے تو بال بچوں کا تابع ہو کر۔ یعنی فکر معاش کرے تو اُنکے لیے نہ کہ اپنے واسطے۔ بال بچوں کی خبرگیری اُن کی پرورش وپرداخت اور اُنکی بسر اوقات کے لیے جن تکالیف اور محنتوں کو برداشت کرنا پڑے۔ اُنکو یہ سمجھکر جھیلے اور بخوشی انگیز کرے کہ یہ بھی ایک فرض خدا اور طاعت ایزدی ہے۔

خود اپنی ذات کی خدمت سے کنارہ کش رہے اور عیال کی خدمت کو اپنے نفس کی خدمت پر مرجح ملنے۔ کھائے تو اُنکی بھوک کی وجہ سے کھائے اور اُنھیں اپنی بھوک کا تابع نہ بنائے۔ یعنی بال بچے بھوکے ہوں تو اُن کے لیے کھانے کا سامان کرے اور اُنکے ساتھ مل کر کچھ کھا پی لے۔ یہ نہ کرے کہ جب خود بھوکا ہو اُسوقت سب کے کھانے کی فکر کرے۔

اگر فقیر کے پاس کوئی شے چار دن کے کارآمد موجود ہے مگر گرمی کے موسم میں اِس کو کچھ خرچ کی ضرورت آپڑی تو چاہیے کہ اُس چیز کو بیچ کر موجودہ حاجت روا کرلے

اگر فقیر کو کچھ کام کرکے اتنا حاصل ہوگیا کہ اُس کے دن کی زندگی کے واسطے بس ہے لیکن ابھی وہ اس دن میں اور کام کرکے اپنے بال بچوں کے لیے ایک دن کا خرچ اور پیدا کرسکتا ہے

تو اُسے ایک ہی دن کے کافی خرچ پر اِکتفا کرنا چاہیے۔ کیونکہ بقدر کفایت چیزوں پر قناعت کرنا فقیر کے لیے واجب ہے۔ کل کی فکر کل پر چھوڑ دے۔ لیکن فقیر خود تو اسباب کی قوت رکھتا ہے کہ توکل کا پابند رہے گا اور بھوک اور تنگدستی کی زحمت برداشت کر جائے گا مگر اُسکے بال بچے ایسا نہیں کر سکتے۔ تب اُسے بال بچوں کو اپنا سا بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اُن کے لیے محنت کر کے کمانا اور رزقِ حلال پیدا کرنا ضروری ہے۔ اور بال بچوں کو ہمیشہ مباح آمدنی میں سے کھانے پینے کو دے۔ حرام آمدنی اُنکو ہرگز نہ کھلائے۔

فقیر خود اپنے بارہ میں اسباب کی کوشش کرتا ہے کہ اُسکے عمل صالح ہوں۔ اور صدق و پاکی باطن اسکا شیوہ ہو۔ تاکہ خدائے پاک اُسکے انفاس کی برکت سے اُسکے بال بچوں کو بھی صابر اور طاعت گزار بنائے اور وہ اُسکے مطیع اور خداوند کریم کے سچے بندے بن جائیں۔ کبھی اُس کے حکم سے روگردانی نہ کریں اور راضی برضا رہنے میں اُسکا ساتھ دیں۔

اگر فقیر کے یہاں کوئی مہمان آجائے تو اُسپر واجب ہے کہ جو کھانا مہمان کو کھلائے وہی اپنے بال بچوں کو بھی کھلائے اگر اسکو اتنی وسعت ہو کہ سب کے لیے یکساں کھانا پکوا سکے اور اُن کے کھانے بعد بھی کچھ بچ رہے۔ لیکن اگر تنگدستی اور پریشانی ہے اور فقیر کو یہ معلوم ہے کہ اُسکے عیال بھی صابر اور راضی برضا رہیں گے تو اُسوقت مہمانوں کو ترجیح دے اور اُنکو اچھا کھانا کھلائے۔ پھر اگر مہمانوں کے کھانے میں سے کچھ بچ رہے تو اُسے گھر کے آدمی تبرکاً کھالیں۔

اگر فقیر کی کہیں دعوت ہو اور اُسکی بی بی اور بچے بھی ہیں جنکے لیے کوئی شے کھانے پینے کو موجود نہیں۔ تو مروت اور انسانیت نہیں چاہتی کہ فقیر خود تو دعوت میں جا کر کھائے پیے اور بال بچوں کو فاقہ کرنے دے۔ بلکہ اُسے دعوت میں نہ جانا چاہیے اور اپنے بال بچوں کے ساتھ ہی جیسی کچھ گزرے اُسی کو صبر سے برداشت کرے۔ ہاں دعوت دینے والا صاحب ہمت اور کشادہ دل آدمی ہو اور اُسے معلوم ہو جائے کہ مہمان کے بال بچے بھی ہیں پھر وہ خود ہی اُنکے لیے بقدر ضرورت کھانا بھیجدے اور مہمان کو اسباب سے آگاہ کر دے کہ اُسکے

جنکی خدمت گذاری اُسپر واجب ہے سفر کی اجازت لے۔ مثلاً چچا۔ ماموں۔ دادا۔ یا دادی وغیرہ۔ اور جب اِن سب کی رضامندی ہو اُسوقت سفر کرے۔

اگر فقیر کے بی بی ہے اور فقیر کو سفر کرنے سے اُسے تکلیف ہو گی یا وہ مصیبت اور تباہی میں مبتلا ہو جائے گی تو اُسوقت تک ہرگز سفر نہ کرے جبتک کہ بال بچوں کے لیے اپنی غیر حاضری کی مدت تک کا سامان اور خرچ نہ رکھدے۔

فقیر کے لیے یہ شرط بہت ضروری ہے کہ سفر میں اُسکا قلب حاضر رہے اور وہ بجز یاد الٰہی کے کوئی غم نہ پالے۔ بس خدا کی یاد اُسکے دل میں ہو۔ اور اشیاء کے خیال سے دل کو خالی رکھے آغاز سفر میں اپنے قلب کا بہت خیال رکھے کہیں ایسا نہو کہ سفر کی شکلیں اُسکو ذکر و شغل سے غافل بنادیں۔ فقیر کو کبھی غفلت یا بے خبری کی حالت میں سفر نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ وہ سفر میں بھی اسباب کی سخت کوشش کرتا رہے کہ اُسکا قلب خدا کو نہ بھولے۔

فقیر کو کسی دنیوی غرض کے لیے سفر نہ کرنا چاہیے۔ اور نہ اُس کے سفر کا یہ مقصد ہو کہ وہ کسی طور سے بھی دنیا کو حاصل کرے۔ بلکہ جب سفر کرے تو فرض حج ادا کرنے کے لیے یا کسی شیخ کی ملاقات یا کسی مقدس مقام کی زیارت کے لیے سفر کرے۔

فقیر کو حالت سفر میں بھی اپنے اوراد و وظائف میں مطلق کمی نہ کرنا چاہیے کیونکہ فقر کی شان ہر حال میں عزیمت ہے۔ انکو رخصت سے فائدہ اُٹھانے کی ضرورت نہیں۔

فقیر کو سفر کی حالت میں کسی جگہ یہ بات محسوس ہو کہ وہاں اُس کے قلب کی کیفیت بہت اچھی اور تمام کدورتوں سے بیحد صاف ہے تو اُسے چاہیے کہ اُسی جگہ رہنا اختیار کرلے اور بغیر اسکے کہ اُسے کوئی یقینی حکم ملے یا فعل اور قدر الٰہی کے ذریعہ وہاں سے ہٹنے کا حکم ہو وہاں سے نہ ٹلے۔ ہاں حکم اور مشیت ایزدی پاکر جہاں جانے کا حکم ہو وہاں جائے۔ یا اگر وہ فنافی اللہ اور محبوبان خدا میں سے ہے تو قدرت ایزدی خود اُسے جہاں چاہے لیجائیگی۔

اگر فقیر کو سفر کے اثناء میں کسی جگہ یہ دکھائی دے کہ لوگ اُسکی عزت و عظمت کرتے

اور اُسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور یہ کہ اس کی طرف خلق کو رجوع ہے۔ تو اسے چاہیئے کہ جلد وہاں سے ٹل جائے اور دوسری طرف نکل جائے۔ اس رجوعِ خلق سے اپنے دل میں پریشان ہو۔ ورنہ وہ دنیا کے الجھاوے میں پھنس کر قربِ ایزدی سے دور اور نزدیکیِ وصال سے مہجور ہو جائیگا بس دنیا ہی اس کے حصہ میں رہے گی۔ اور نفس کی خواہشیں زور پکڑینگی۔ مگر یہ اُسوقت ہوگا جبکہ فقیر کے نفس میں بُری اور دنیاوی خواہشوں کا وجود ہو۔ لیکن جب وہ ہوا و ہوس سے بالکل خالی اور ذاتِ باری میں فنا ہو چکا ہے۔ اور نفس کی ترغیبات اُس سے زائل ہو گئی ہیں تو پھر خلق کا اُس کے نزدیک کوئی وجود ہی نہ ہوگا۔ اور نہ اُن کے رجوع لانے کا اُس پر کوئی اثر پڑ سکے گا۔

فقیر کو سفر کے دوران میں اپنے ساتھیوں اور دوستوں کے ساتھ خوش اخلاقی۔ خاطر و تواضع اور خوشی کی پابندی کا برتاؤ کرنا لازم ہے۔ ہر کام میں رفقا کا رفیق رہے اور کسی بارہ میں اُنسے مخالفت اور انکار نہ کرے۔ رفقا کی خدمت اپنا فرض سمجھے۔ اور اُن سے اپنی خدمت کبھی نہ لے۔ اور فقیر کو چاہیے کہ جس طرح قیام و مقام کی حالت میں ہر وقت پاک و طاہر رہنے کا التزام کرتا ہے ویسے ہی سفر میں بھی ہر لحظہ کامل طہارت کا پابند ہو۔ اور وضو کے لیے پانی نہ ملے تو جہانتک ممکن ہو تیمم ہی کرلے۔

فقیر کو اس بات سے بہت بچنا چاہیے کہ وہ کم سن اور امرد جوانوں یا لڑکوں کے ساتھ سفر کرے یا اُنکو اپنا رفیقِ راہ بنائے۔ ہاں اگر وہ فقیر بہت بڑا شیخ اور قابل اقتدار بزرگ ہے تب اس بات کا کوئی خیال نہ کیا جائے گا کہ اُس کے رفقا میں کون لوگ شامل ہیں۔ کیونکہ اس کے ساتھ جوان اور بوڑھے ہر قسم کے آدمی ہونگے۔

فقیر سفر کرتا ہوا کسی ایسے شہر یا قصبہ میں پہنچے جہاں کوئی شیخ رہتا ہے تو مسافر فقیر کو چاہیے کہ وہ مقیم شیخ کی خدمت میں پہلے خود حاضر ہو اور اسکو سلام کرے اور اس کی خدمت ادا کر کے سعادت حاصل کرے۔ اور اُسے بزرگی، عزت او تعظیم کی نظر سے دیکھے تاکہ اُسکے

معنوی فوائد سے محروم نہ رہے۔ مسافر درویش کو دوران سفر میں کچھ فتوح حاصل ہو تو اُسے اپنی ہی ذات کے لئے مخصوص نہ کرے بلکہ اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو بھی اُس سے فائدہ پہنچائے۔ اور اگر اُسکے ہم سفر احباب میں سے کوئی کچھ معذور ہو جائے جس سے قابل سفر کرنے کے نہ رہے تو درویش کو اُسکے ساتھ ٹھہر جانا چاہیئے یہ نہ کرے کہ اوس کی کوئی پرواہی نکرے۔

وصلِ پنجم

مشیخت (پیری)

خدائے پاک نے کچھ معمول ہی یہ باندھ دیا ہے کہ دنیا میں کوئی پیر ہو اور کوئی مرید یہ قانون قدرت ہے اور اِسی کے ماتحت شیوخ یا پیر صاحبان راہِ خدارسی کے رہنما اور صفائی باطن کے طریقوں کے اُستاد ہوتے ہیں۔ وہ گویا ایسے دروازہ سے مشابہ ہیں جس میں ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور میں رسائی ملتی ہے۔ اِسلئے ہر مُرید خدا کو ضروری ہے کہ کسی پیر کا ہاتھ پکڑے گو شاذونادر ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی کا کوئی ظاہری پیر نہ تھا جیسے حضرت اویس قرنیؓ کہ اُن کا بظاہر کوئی پیر نہ تھا۔

مُرید راہ خدا کو پیر کی ضرورت کیوں ہے۔ اِسلئے کہ مُرید کا قلب مریض ہے اور مریض کو طبیب سے رجوع لائے بغیر کوئی چارہ نہیں پھر طبیب بھی حاذق چاہیئے جو اُسکے مرض کا علاج کرسکے۔ صرف مریض ہی اپنے مرض کی دوائیں استعمال کرے تو اُسے کچھ فائدہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ بہت ممکن ہے کہ وہ غلطی کرے اور بجائے مصلح دوا کے مفسد دوا استعمال کرے اور اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ہلاکت سے دوچار ہوگا۔

مُرید کو پیر کی اِسلئے بھی ضرورت ہے کہ خدا تعالیٰ کے حضوری میں پہنچنے کا راستہ

"غیب" یعنی مخفی ہے مُرید اُسے بالکل نہیں جانتا۔ پس جو شخص کسی راستہ کو بالکل نہ جانتا ہو وہ اس راہ میں کیونکر سفر کر سکے گا۔ خاصکر ایسی حالت میں جبکہ اُس راہ میں رہزنوں کی کثرت بھی ہو۔

شیخ مُرید کو تلقین کرتے وقت اُسے اپنے نور باطن سے ایک اسم عطا کرتا ہے اور یہی اسم مرید کے قلب کو روشن بنانے میں اپنا عمل کیا کرتا ہے اب اگر کسی مُرید کا کوئی شیخ نہ ہو تو اس مُرید کا معمولی اِسم پیر کے نور سے خالی ہوگا۔ اور پھر وہ تنویر قلب کا عمل بھی نہ کر سکیگا۔ کیونکہ اس اسم میں وہ تاثیر کہاں۔ اور پیر کی ضرورت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کے قرب تک پہنچنے کا راستہ بہت سی دشوار گزار گھاٹیوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ گھاٹیاں نفس کی بیجا خواہشیں اور شیطان کی روباہ بازیاں ہیں وہ ایسے ایسے دہوکے دیتا ہے کہ اچھے اچھے اُسکے دَم میں آجاتے ہیں۔

اِن گھاٹیوں میں سے ایک ایک گھاٹی اُسیوقت طے ہوتی ہے جبکہ بہت طویل مجاہدہ کیا جائے اور مُرید کی چال چیونٹی کی چال سے بھی کم زور ہے۔ اب اگر وہ آپ ہی راہ طے کرنا شروع کرے تو سر منزل مقصود تک پہنچنے کو ایک عمر نوح چاہیئے۔ لہذا ضروری ہے کہ کوئی شیخ دستگیر ہو اور وہ جلد جلد اِن ناہموار گھاٹیوں سے عبور کرادے اور کبھی مُرید سے عبادت وطاعت میں کوئی خرابی رہجاتی ہے۔ اُس میں فتور پڑجاتا ہے اسوجہ سے وہ راہ معرفت میں چلتے چلتے اٹک جاتا ہے بعض وقت فتور طاعت ایسا ہوتا ہے کہ سالک کو اُسکے مقام سے نیچے گرا دیتا ہے اور گاہے یہ خرابی آپڑتی ہے کہ مُرید ناحق کو حق مان بیٹھتا ہے ایسی حالتوں میں شیخ کا ہونا لازمی ہے وہ دستگیری کریگا۔ حق بات کو بتائیگا۔ پھر راستہ پر لائیگا۔ ورنہ بے پیرا مرید حیرت کے بھنور میں پڑکر ہلاک ہوگا۔ اور راہ راست سے نکالدیا جائیگا۔

جسوقت قلب میں صفائی آنے لگتی ہے اور اسپر انوار الٰہی جلوہ ریز ہوتے

ہیں ایسے وقت میں اکثر مرید یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ راہ سلوک کا یہ مقام سب سے بالا ہے اور اب اس سے اوپر کوئی اور مقام نہیں۔ اس غلط خیال میں مبتلا ہو کر وہ اُسی مقام میں ٹھہر جاتے ہیں۔ آگے بڑھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ ایسے حال میں پیر کی ضرورت ہے وہ مرید کو آگے بڑھائیگا اور ترقی مقام کی رہبری کرے گا۔ غرضکہ مرید ابتدا سے لیکر انتہا تک شیخ کا سخت حاجتمند ہے۔ وہ راہ سلوک میں بغیر شیخ کی رہنمائی اور رہبری کے ہرگز نہیں چل سکتا۔ اور چلے تو بھول بھٹک کا اندیشہ ہے۔

استاذ ابو علی دقاقؒ کہتے ہیں "وہ خودرو درخت جس کی پود کوئی آدمی نہ لگائے اور نہ غور و پرداخت کرے بہت جلد فنا ہو جاتا ہے اور کوئی پھل نہیں دیتا اور اگر اتفاق سے وہ زندہ رہے اور پھل بھی لائے تو اُسکے پھل مزہ دار نہونگے"

حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں جس کا کوئی اوستاد نہو اُسکا امام شیطان ہے۔

پہلے زمانوں میں مُریدین اور مشائخ کا ربط و تعلق صرف صحبت اور ہمنشینی ہی تک تھا۔ اسکے بعد پھر خرقہ دینے سے بدل گیا۔ یعنی پیروں نے مریدوں کو اپنا خرقہ عطا کرنا شروع کر دیا۔ بیعت کی سنت پیروں اور مریدوں میں نہ تھی۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ کہ بیعت کی سنت اِن دنوں محض خلفاء اور بادشاہوں یا حکمرانوں کے ساتھ مخصوص تھی پیران عظام نے خیال کیا کہ اگر وہ بھی بیعت لیں گے تو اس سے باہمی کینہ بڑھیگا اور اختلاف بڑھیگا۔ پھر اگر کہیں خلفاء نے یہ گمان کیا کہ یہ اشخاص جو بیعت لے رہے ہیں خلافت کی بیعت ہے تو مفت میں فتنہ فساد برپا ہو گا لیکن جب بادشاہوں اور سلاطین نے بیعت کا دستور مٹا دیا اُسوقت عقلمند اور صاف دل صوفیان نے موقع پایا اور یہ سنت اپنے عمل میں لیلی۔ تاہم جن ممالک میں سلاطین و ملوک بیعت لیتے ہیں وہاں اب بھی گروہ صوفیہ کے مشائخ مُریدوں سے صرف عہد (اقرار) لیا کرتے ہیں اور عہد و بیعت ایک ہی چیز ہے۔ کیونکہ بیعت ایک دینی قربت کا پختہ اقرار ہی تو ہے۔

بیعت سنّت ہے - اور اوسکے اقرار کا وفا کرنا واجب و لازم بیعت کو توڑنا حرام ہے - اور کمسن نابالغ بچے کا اپنے مُریدوں سے بیعت لینا درست ہے -

امام قشاشی کا قول جس پر جمہور کا اتفاق ہے یہ ہے کہ بیعت کی دو قسمیں ہیں ایک بیعت ارادہ - اور دوسری بیعت تبرک پہلی بیعت یعنی بیعت اِرادہ کا ثمرہ اور نتیجہ سلوک کی معرفت ہے تاکہ وصول یعنی خدا کی حضوری میں پہنچنا یقینی طور پر حاصل ہو جاوے اور دوسری یعنی بیعت تبرک کا فائدہ ہلاکت کے مقاموں سے بچنا اور اچھا خاتمہ ہے -

شیخ اکبرؒ تو صریح طور سے ایک ہی پیر کرنے کو حتمی اور لازمی قرار دیتے ہیں انکے نزدیک ایک مرید دو پیروں کے مابین رہ ہی نہیں سکتا جیسے کہ دُنیا دو خداؤں کے تحت میں نہیں رہ سکتی - یا ایک جورو ایک ساتھہ دو خاوندوں کے تحت میں -

شیخ کبیرؒ فرماتے ہیں کہ شیخ اکبرؒ کا مقصد یہ ہے کہ شیخ تربیت ایک ہی ہونا چاہیئے شیخ صحبت کے بارہ میں یہ قید نہیں - شیخ عبدالکریم سمان مَدَنی بھی اپنی کتاب نفحات الالہیہ میں یہی لکھتے ہیں - اور یہی جمہور کا معمول ہے -

شیخ تبرک وہ پیر ہے جو اپنے طریقہ کو تبرّکاً کسی مرید کے حوالہ کرتا ہے یعنی محض برکت حاصل کرنے کے خیال سے لوگ اُسکے مُرید ہوتے ہیں - ایسے پیر کے لئے بھی یہہ شرط ضروری ہے کہ وہ زہد - پرہیزگاری - خداترسی - احتیاط اور بیجا باتوں کے ترک وغیرہ میں صوفیائے کرام کا پورا پیرو ہو - لیکن اگر کسی نے دنیا کے فانی مال کی طمع میں لوگوں کو مُرید بنایا اور تسخیر خلائق کا اثر رکھنے والی ریاضتوں کے وسیلہ سے یہ کام کیا تو وہ شخص دجّال ہے اور بندوں کو خدا تعالٰی سے الگ کرنے والا - اِسکی بیعت کسی کو نہ کرنی چاہیئے اور شیخ تربیت وہ ہے جو ظاہر و باطن دونوں قسم کے علموں میں کامل اور مشیخت کی اجازت پائے ہو - علم ظاہر سے احکام الٰہی اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت مراد ہے - یہ آگاہی خواہ درس کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہو یا کشف صحیح یا سچے الہام کے ذریعہ - اور یا اُسکا حصول علما کی صحبت

میں عرصہ تک رہنے کے باعث ہو جاے اور علم باطن سے یہ مُراد ہے کہ خدا تعالیٰ کو مشاہدہ کے طریق سے پہچانے اور ایسے مشاہدہ کرنے والے کو ضرورت ہے کہ وہ پہلے سے مجاہدہ کی تکمیل کر چکا ہو۔ اِسلیئے کہ جو بغیر مجاہدہ کو کامل کرنے کے مشاہدہ پا جاتا ہے اُسے مجذوب محض کہا جاتا ہے۔ جیسے کہ وہ شخص جو کہ مجاہدہ کو مکمل کر چکا ہے مگر اُسے مشاہدہ نصیب نہیں ہوا اُس کو خالص سالک کہتے ہیں۔ اور یہ دونوں پیری کے قابل نہیں ہیں۔ ہاں جس شخص میں یہ دونوں باتیں جمع ہوں یعنی اُسنے کامل مجاہدہ کے بعد مشاہدہ ایزدی کا رتبہ پایا ہو وہ پیری کے لئے مناسب اور اِس قابل ہے کہ اِسکی بعیت کیجائے۔

اگر کسیکو مجاہدہ کے بعد مشاہدہ نصیب ہو تو وہ سالک مجذوب کہلاتا ہے اور مشاہدہ کے بعد مجاہدہ کرے تو وہ مجذوبِ سالک ہے۔ اور مجذوبِ سالک سالکِ مجذوب سے بڑھ کر ہے۔ اور ایسے شخص کو اُسکا شیخ اُسوقت تک پیری کی اجازت نہ دے جبتک کہ وہ عقائد و احکام اسلام کے علم کی تکمیل اور اُسکے بعد کامل مجاہدہ سے مشاہدہ کی تحصیل نہ کرے۔ کیونکہ استکمال مشاہدہ کے بعد ہی وہ پیری کے قابل ہوتا ہے۔

بعض صوفیہ کہتے ہیں مشیخت کے ارکان یعنی پیر ہونے کے ضروری اوصاف اور فرائض خدائے پاک کے اِس قول میں جمع ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ

"فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا"

تب اُن دونوں (ہارون و موسیٰ) سنے ہمارے بندوں میں سے ایک ایسا بندہ پایا جس کو ہمنے اپنی رحمت دی تھی اور خود علم سکھایا تھا۔

اِس آیت شریفہ میں مشیخت کے حسب ذیل ارکان بیان ہوئے ہیں۔

(۱) خالص عبودیت۔ اور اوسکی یہ صورت ہے کہ بندہ کے نفس میں احکام ایزدی کی بجا آوری۔ اُسکے نواہی سے اجتناب اور قضائے الٰہی پر راضی رہنا عادۃً راسخہ بنگیا ہو

اور یہی مجاہدہ کی انتہا اور اُس کا منتہیٰ ہے اور یہ سب اُس بندہ نے محض خالصاً للہ کیا ہو۔کسی عوض یا غرض کے لئے نہ کیا ہو۔

(۲) نزدیکی کی رحمۃ۔ اور اُس کا یہ مطلب ہے کہ ذات باری تعالیٰ اُس بندہ پر اپنے اسماء اور صفات کے ساتھ تجلّی فرما ہو۔

(۳) علم لدنی۔ اور یہ ذات وصفات کی معرفت اور حقایق اشیاء کی آگہی ہی جو منجانب اللہ بندہ کو عطا ہوئی ہی۔ اور

(۴) بغیر کسی رہی واسطہ کے تعلیم حاصل کرنا ہی۔ یعنی الہام یا سچے خواب یا غیبی آواز وغیرہ کے ذریعہ کسی بات کی تلقین پانا۔ اور یہ سب باتیں منجانب اللہ اور خدا کی سچی ہدایت سے حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ ہر امر کے ساتھ ایک شاہد من اللہ موجود رہے۔

بعض کا قول ہے کہ شیخ ہونے کے لئے انسان کا صحیح اور حق عقائد اور ضروری حد تک دین کی فہم اور سلوک کا عالم ہونا بہت ضروری ہے۔ اور یہ کہ شیخ کو سنّی العقیدہ یعنی اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کا پابند اور اپنے علم پر عامل بھی ہونا لازم ہے اور اُس کی تربیت بہت پختہ ہو اُس کی نظر پاک نظر ہو۔ دل کا بہادر ہو کہ کسی امر حق میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہ ڈرے۔ مصیبتوں میں لوگوں کی مدد کرتا ہو سخی اور کشادہ دل ہو۔ زاہد اور دنیا سے کنارہ کش اور اہل دنیا سے بے طمع و بے غرض ہو بس جو کچھ بے مانگے خدا بھیجدے اُس پر قانع رہے اور کبھی کسی کی طرف سے کچھ ملنے کی سعی نہ کرے نہ اسباب کا انتظار کھینچے۔ طمع اور تنگ نظری سے دور رہو۔ قانع اور صبور ہو نرم دل۔ رحیم ہو۔ لوگوں کی غلطیوں سے درگزر کرتا اور انھیں معاف کرتا رہے مریدوں پر اتنا شفیق اور اس درجہ مہربان ہو کہ انپر اُنکی طاقت سے بڑھکر بار نہ ڈالے اور جو نہی کسی مرید کو قبض کا حال لاحق ہو اپنے بسط سے اُسکے قبض کو دفع کر دے اور بسط کے حال میں اُسے قبض کا فیض پہنچائے شیخ کو خوش اخلاق۔ متواضع۔ اور خدا پر سچّا بھروسہ کرنیوالا

ہونا چاہیے۔ رنج وراحت ہر حال میں خدا پر توکل رہے اور مریدوں کے اپنی جانب مائل ہونے یا اُنکے رو گرداں ہو جانے اور نہ آنے کی حالت میں بآرام ومطمئن رہے اگر مرید رجوع کریں تو اُسکو خدا کا حکم سمجھے اور وہ رجوع نہ لائیں تب بھی مرضی ایزدی سمجھکر ہراساں نہو۔

اور حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس شخص کی لوگ راہ سلوک میں پیروی کریں۔ اُس کا وصف یہ ہونا چاہیے کہ وہ علوم شرعیہ اور علوم طبعیہ سے واقف ہو اور اسی کے ساتھہ بزرگان صوفیہ کی اصطلاحات سے بھی آگاہ ہو۔ کیونکہ ان باتوں سے اُسے کبھی استغنا نہیں ہو سکتا۔

اور حضرت غوث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کسی شیخ کو نہایت کے سجادہ پر اُسوقت تک نہ بیٹھنا چاہیے جبتک کہ اُس میں یہ دس خصلتیں کامل نہوں۔ دو خصلتیں خدا کی خصلتوں میں سے اور وہ یہ ہیں کہ ستار اور غفار ہو اور دو خصلتیں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ وہ یہ ہیں کہ شفیق و رفیق ہو۔ اور دو خصلتیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یعنی کہ وہ سچا اور حق باتوں کو سچ ماننے والا ہو۔ اور دو خصلتیں عمر رضی اللہ عنہ کی یعنی یہ کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کامل ہو۔ اور دو خصلتیں عثمان رضی اللہ عنہ کی جو یہ ہیں کہ لوگوں کو بہت کھانا کھلائے اور جس وقت رات کو سب لوگ سو جاتے ہیں اُسوقت آپ نفل نماز ادا کرے۔ اور دو خصلتیں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ہونی چاہئیں جو یہ ہیں کہ عالم اور دلیر ہو۔

اور ان باتوں سے یہ مطلب برآمد ہوتا ہے کہ جاہل اور فاسق اشخاص شیخ ہونے کے قابل نہیں۔ اور ایسے ہی کم علم اور خالص مجذوب اور خالص سالک یا وہ اشخاص جنکے شیخ نے انھیں شیخ بننے کی اجازت نہ دی ہو۔ اُن میں بھی شیخ ہونے کی اہلیت نہیں ہے ہاں اگر کوئی شخص شیخ ہونیکی اہلیت پا چکا ہے اور اُسکے شیخ کو اچانک موت آگئی جسکی وجہ

سے شیخ اسکو مرید کرنے اور پیر بننے کی اجازت نہ دے سکا۔ مگر لوگوں نے شیخ کے بعد اس شخص کو شیخ کا قایم مقام مان لیا اور خدا کی مدد سے مرید بھی اُسکی جانب رجوع لائے تو ایسے شخص کو شیخ بننا مناسب ہی اور وہ اِس بات کا مستحق ہے اور ایسے شخص کی پہچان یہ ہی کہ اُسکی ہوائے نفسانی فنا ہوگئی ہو اور اُسکی دُنیا استتار میں اور اُسکی آخرت انتشار میں ہو۔

ایسے ہی جو آدمی کسی ایسے پیر کے ہاتھ پر بعیت کریگا کہ وہ پیر شیخ ہونیکا اہل نہیں ہے تو مُرید کی ارادت صحیح نہو گی۔ چاہے وہ اِس قسم کے ایک ہزار پیر بنالے۔ ارادت ہمیشہ ایسے ہی شیخ کی صحیح ہوسکتی ہے جو خود کامل ہو اور مرید کا تکملہ بھی کر سکے۔

جس آدمی کا پیر فوت ہوگیا ہو اُسے دوسرے پیر کی صحبت میں طالب بننا چاہیئے مگر اِس خیال سے کہ پہلے پیر نے اُسکے دِل میں محبت و معرفت الٰہی کی تخم پاشی کی ہے اور یہ دوسرا شیخ اُس کی آبپاشی کرکے اُسے نشو و نما دیگا۔

صوفیاے کرام فرماتے ہیں کہ کمسن بچے کا طریق سلوک میں داخل کرنا جائز ہے گو وہ بچہ شکم مادر ہی میں ہو۔

اور جو شخص مرید ہوکر اعتقاد میں متزلزل ہوجاتے اُسے اپنے شیخ یا اُسکے بعد اُسکے خلیفہ کے ہاتھ پر بعیت کی تجدید لازم ہے۔

جس شخص کو اُسکے شیخ نے خود اپنے ہاتھ سے خرقہ پہنایا ہو اُس پر ادب کے طور سے یہ بات لازم ہے کہ اِس خرقہ کو صرف مَیل چھڑانے ہی کے لئے دھوئے۔ اور کسی طور پر نہ دھویا کرے۔

اور خواجہ مودود چشتیؒ فرماتے ہیں خرقہ صرف اُسی صاحب مجاہدہ کو پہننا چاہیئے جسکے نزدیک مدح و ذم یکساں ہوں۔

مُرید کو چاہیئے کہ شیخ کا خرقہ پہنتے وقت دو رکعتیں نفل کی پڑھے اور جو کچھ اِس سے بن پڑے شیخ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرکے اُس سے اِس ہدیہ کو قبول فرمانے کی

آرزو رکھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ شیخ کا عطیہ خرقہ بزرگی والے دنوں میں پہننا چاہئے۔
بیعت کی شرط صرف یہ ہے کہ مصافحہ کرے۔ یہ جو رسم ہے کہ بیعت سے قبل مرید کے سر پر مقراض پھیری جاتی ہے اسکو خرقہ پہنایا جاتا ہے اور نفل نماز ادا کرائی جاتی ہے اور اُسے پند و نصیحت کرتے ہیں۔ یہ سب زائد باتیں اور آدابِ بیعت ہیں۔
اور ہمارے ہاں بیعت کا یہ طریقہ ہے کہ مرید اپنے دونوں ہاتھوں سے شیخ سے مصافحہ کرتا ہے اور اسکے قبل وہ دو رکعتیں نفل نماز توبہ کی پڑھتا ہے۔ پھر جب وہ مصافحہ کرتا ہے اُسی وقت شیخ اس سے تمام گناہوں سے توبہ کراتا ہے اور اُسکے بعد بیعت کو پورا کرنے اور اُسکے توڑنے کے بارہ میں جسقدر احکام ہیں اُنھیں مُرید کے گوش گزار کرکے اُسے طریقہ میں داخل کر لیتا ہے اور اُسکے لئے استقامت کی دعا فرماتا ہے۔ بعدازاں ارواح مشایخ پر فاتحہ پڑھ کر جو شیرینی موجود ہو اُسے حاضرین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَم۔
اور اسکے بعد شیرینی کی تقسیم کا ثواب ارواح بزرگاں کو ہدیہ کیا جاتا ہے تاکہ عبادت جسمانی اور عبادت مالی دونوں کا ایصال ثواب اکٹھا ہو جائے۔

وصلِ ششم

سلوک

قشیریؒ کا قول ہے مُرید کو لازم ہے کہ کسی ایک ہی شیخ سے تعلیم و تربیت حاصل کرے اور جب سلوک راہ طریقت کا ارادہ کرے تو پہلے خدائے پاک کے حضور میں تمام لغزشوں سے توبہ کرے اور پوشیدہ اور ظاہر تمام اقسام کی لغزشوں کو چھوڑ دے۔ چھوٹا بڑا کوئی بُرا کام ہرگز نہ کرے اور پوری کوشش سے اپنے دشمنوں کی جماعت یا اُن لوگوں کو اپنے آپ سے راضی بنالے جن کا اُس پر کوئی حق ہے اور ان مراتب کے بعد تعلقات دنیاوی

اور مشاغل ظاہری کو چھوڑ دے جو اسکو خدا کی عبادت میں صرف اوقات سے روکتے ہوں۔

دنیا کے تعلقات میں سب سے پہلا مرتبہ مال کی محبت اور اُسکے اُلجھاوے سے نکلنے کا ہے۔ جب اس کٹھن منزل کو طے کرلے تو پھر ظاہری عزت و حرمت یعنی جاہ و منزلت کی خواہش سے کنارہ کش ہو اور اس سے بھی برطرف ہوکر سچے دل سے خدا کے حضور میں یہ عہد و پیمان کرے کہ کسی وقت و حالت میں بھی اپنے شیخ کے فرمان سے سرتابی نہ کریگا۔ متابعت و اطاعت شیخ کی ایک ضروری شرط یہ ہے کہ مُرید کے دِل میں کبھی اپنے شیخ پر کوئی اعتراض نہ آسکے۔

مُرید پر یہ بھی واجب ہے کہ اپنے راز کو پوشیدہ و محفوظ رکھے اور بجز شیخ کے کسی پر اپنا بھید نہ ظاہر کرے۔

اور شیخ کا فرض ہے کہ وہ مریدوں کی لغزشوں سے کبھی درگزر نہ کرے اور جبتک مرید تمام تعلقات سے مجرّد نہو جاوے اُسوقت تک شیخ کو کوئی ذکر و شغل اُسے نہ بتانا چاہیے بلکہ پہلے مرید کی آزمایش کرنا ضروری ہے۔ اور اب اگر تجربہ سے شیخ کا دل اس بات کی گواہی دے کہ مرید صادق العزیمت ہے تو پھر مرید سے یہ عہد لے کہ راہ طریقت میں تغیرات قضا کی جو مشکلیں پیش آتی ہیں اِن کو صبر و سکون اور تسلیم و رضا کے ساتھہ جھیل لیگا۔ اور مصیبت۔ پریشانی۔ ذلت و بے کسی فقر اور بیماریاں اور دُکھ درد جو کچھہ سر پر آپڑے اُسے بخوبی برداشت کئے جائے گا اور کبھی آسان طلبی کی طرف مائل نہو گا۔ فاقوں اور مشکلوں کے نرغہ میں پھنس کر اور ضرورتوں کے گھیرے میں آکر آسانی اور کشادِ کار کا طالب نہ بنے۔ نرمی اور سہولت کو ترجیح نہ دے اور کاہلی اور آلکسی کو اپنے پاس نہ پھٹکنے دے۔ شیخ اِن سب اوپر ذکر کی ہوئی باتوں میں مرید کا تجربہ کرلے اور اُسے پختہ پائے تب اُسے اپنی تجویز کے مطابق کسی ایک ذکر کی تلقین کرنا واجب ہے اور

پہلے یہ حکم دے کہ مُرید اُس اسم کو صرف اپنی زبان سے پڑھے۔ اور اُسکے بعد یہ فرمان صادر کرے کہ اب دِل میں قلب کو بھی زبان کا ہمنا مِن بنائے۔ اور اِس بارہ میں ثابت قدم دیکھکر فرمائے کہ اب تو اِس ذکر پر ہمیشہ جاری رہ اور اِس طرح جم جا جیسے کہ تیرا قلب ہمیشہ ہمیشہ خدا کے ساتھ ہے اور زبان سے بھی تا امکان بجز اِس اسم کے اور کوئی لفظ نہ نکال

اِسکے بعد اُسے ہمیشہ ظاہر میں باطہارت رہنے کا حکم دے۔ اور اُسکو بتائے کہ جبتک نیند کا غلبہ حد سے نہ بڑھے اُسوقت تک مت سونا۔ اور غذا میں کمی کرنا اسباب کا بھی حکم نہ دے کہ مرید اپنی کسی عادت کو اکبارگی ترک کر دے بلکہ آہستہ آہستہ اُسکی عادتوں کو چھوڑائے اور اِن باتوں کے بعد مرید کو خلوت پسندی اور گوشہ نشینی اختیار کرنے اور اِس حالت میں کمینہ خیالات اور دلکو ذکر الٰہی سے ہٹانیوالے جذبات و احساسات سے دُور کرنے میں کوشش سے کام لینے کا حکم دے اور اُسے بتا دے کہ دانا اور فہمیدہ مرید کو ابتداءً بوقت خلوت و آغاز ارادت اعتقادات میں بہت زیادہ وسوسے آتے ہیں اور بڑی بری باتیں اُسکے خیال میں گذرتی ہیں اور یہ خدا کی طرف سے سالک راہ طریقت کا امتحان ہوتا ہے جو لوگ ہونہار ہیں وہ اِس مرحلہ کو آسانی سے طے کر جاتے ہیں اور یقین کامل رکھتے ہیں کہ خدائے پاک اُن اوہام اور وساوس سے منزّہ ہے اور یہ کہ اُسکے اوہام سب بے شبہ باطل ہیں لیکن یہ حالت ہمیشہ رہتی ہے اور دیر تک رہنے کی وجہ اہل ارادت کو پریشان کر ڈالتی ہے اور بڑھتے بڑھتے اِتنی بڑھ جاتی ہے کہ بُری سے بُری گالی اور نہایت ہی بُری بات اور حد درجہ برا خیال دل میں آتا ہے جسکو مرید اپنی زبان پر بھی نہیں لا سکتا اور نہ کسی سے کہہ سکتا ہے۔ اور یہ مشکل ترین بات ہے جو اِنھیں پیش آتی ہے۔ ایسی حالت میں مریدوں کو لازم ہے کہ وہ اِن خیالات اور وساوس کی کچھ پروا ہی نہ کرے اور برابر ذکر الٰہی اور جناب باری کے حضور میں اظہار عجز و زاری میں مصروف رہیں کہ وُہی اپنے فضل و کرم سے اِس بلا کو دُور فرماوے۔

اور معلوم رہے کہ یہ خیالات اور خطرات شیطان کے پیدا کردہ وسوسے نہیں ہوتے بلکہ خود انسانی نفس کے ہواجس ہیں اسلئے جب مرید ان کی کوئی پروا نہ کریگا تو یہ آپ ہی آپ بند ہو جائیں گے۔

بظاہر اوراد کی کثرت مرید کے آداب میں ہرگز داخل نہیں۔ اسلئے کہ اہل طریقت صرف اپنے دلوں کو غیر خدا سے خالی کرلے۔ اپنے اخلاق کو سدھارنے اور اپنے قلب سے غفلت کو دُور کرنے کے لئے محنت ومشقت کیا کرتے ہیں۔ لہذا مرید کو لازم ہے کہ وہ فرائض اور ضروری سنتوں کو بجالانے کے بعد صرف قلب کے ساتھ ذکر کی استدامۃ کرے۔

اور جب مرید ہمیشہ اور ہر وقت ذکر کرنے لگے اور خلوت پسند ہی بنجائے اُس وقت اگر اسکو اپنی خلوت میں کوئی ایسی بات حاصل ہو جو اِس سے قبل حاصل نہوئی ہو خواہ وہ بات خواب میں حاصل ہو یا بیداری میں یا خواب و بیداری کے مابین کسی حالت میں یا وہ کوئی خطاب سُنے یا کوئی معنی مشاہدہ کرے جو خلاف عادت ہو تو اُسے چاہئے کہ اس بات کا بالکل خیال نہ کرے اور نہ اُس پر نازاں ہو یا اُسے اپنے لئے موجب طمانیت سمجھے کہ اُسکی وجہ سے پھر ویسی ہی کیفیت کا حصول چاہے۔ کیونکہ یہ سب بھلاوے میں ڈالنے والی باتیں اور خدا سے غافل کرنے والی چیزیں ہیں۔ ہاں اِن احوال کے ورود میں اس بات کی ضرورت ہے کہ مرید ان کو اپنے شیخ سے بیان کردے تاکہ اُس کا دل رازداری کے بار سے ہلکا ہو جائے اور شیخ پر واجب ہے کہ مُرید کے راز کو محفوظ اور دوسروں سے پوشیدہ رکھے اور اِس حال کو مرید کی نظر میں بے حیثیت بنادے کیونکہ یہ تمام احوال اختیارات ہیں اور ان پر مطمئن ہو بیٹھنا دھوکا ہے مُرید کو لازم ہے کہ وہ اپنی ہمت اُس سے بلند رکھے اور آگے ترقی کا خواہاں رہے۔

مُرید کے لئے سب سے بڑھکر ضرر رساں بات یہ ہے کہ اُس کے سر میں جو باتیں قرب

خداوندی اور امتنان الٰہی کی اِسطور سے حاصل ہوں کہ اللہ پاک اُسے اُن نزدیکیوں اور قربتوں سے مخصوص بنائے اور ہمچشموں میں اُسکو سربلند کرے تو اگر بندہ اِن القاؤں پر مائل اور اُنکا گرویدہ ہوکر رہجائے اور راہ سلوک میں مجاہدہ اور طلب مزید کو ترک کردے تب وہ جہاں کا تہاں رہ جائیگا اور آگے بڑھ کر حقیقت کے مکاشفات اُسکو نہ نصیب ہونگے۔ اور اِن مکاشفات کی کتاب میں تفصیل کرنا دشوار امر ہے۔

ہاں بعض عارفین کہتے ہیں کہ حقیقت کے مکاشفات میں سب سے پہلے لوامع اور لوائح بجلی کی چمک کی طرح عیاں ہوتے ہیں اور پھر بتدریج وہ دیرپا ہوتے جاتے اور کبھی بہ شکل چراغ گاہے بصورت مشعل اور کبھی کبھی ستارہ۔ ہلال اور بدر اور بالآخر آفتاب جہانتاب کے مانند ضیا گستر اور جلوہ فگن ہوتے ہیں۔ جسکے بعد انوار مجرّدہ پھر تجلیاں اور اِسی کے ساتھ مکاشفات کا ظہور ہوتا ہے اور جب یہ درجہ حاصل ہو جائے تو اسکے بعد معرفت کی حقیقت تک رسائی ہوتی ہے۔

اور ہمارے امام حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مبتدی پر سب سے پہلے اعتقاد کا صحیح کرنا واجب ہے۔ اس کا اعتقاد انبیاء اور اولیاء کے اعتقاد کے مانند ہونا چاہیئے۔ اور یہ اعتقاد اہل سنّت والجماعت کا عقیدہ اور قرآن وحدیث پر صدق واجتہاد کے ساتھ عمل کرنا ہے اسکے سوا جتنی باتیں ہیں آدمی اِن سب سے بے خبر بنجائے اور سچے دلسے بخلوص تمام اللہ پاک کے ساتھ یہ عہد کرے کہ وہ معرفت الٰہی کے رستہ میں جو قدم اُٹھائیگا یا رکھیگا وہ خدا ہی کے ساتھ یعنی اُسکی مرضی کے مطابق ہوگا اور اگر وہ خدائے پاک کی طرف پھریگا تو وہ بھی قصد وارادہ خداوندی سے اور کرامت کو پاکر راہ سلوک میں ٹھیر نہ جائیگا کیونکہ یہی بات بندہ اور خدا کے مابین سب سے بڑا حجاب ہے جبتک وصول الی اللہ نہ حاصل ہو جائے برابر اِس حجاب کا خطرہ رہیگا۔ اور سالک کو چاہیئے کہ وہ کبھی مجاہدات میں قصور نہ کرے اور نہ کاہلوں اور قصور کرنے والوں کے ساتھ نہ ملے۔ اِسکے پاس جو کچھ موجود

ہو اُس میں بخل نہ کرے اور دائمی ذلت و محرومی پر راضی برضا رہے۔ فاقہ کشی سے نہ گھبرائے گمنامی کو نعمت سمجھے۔ لوگوں کے بُرا کہنے کو خوشی سے برداشت کرے اور اگر اُسکے دیگر ہم چشموں کو شیوخ کے حضور میں تقدم اور تقرب حاصل ہو تو اُس سے کبیدہ نہو۔ خود بجز مغفرت کے اور خدائے پاک سے کوئی بات نہ طلب کرے اور اُس سے گناہوں سے محفوظ رہنے اور طاعتوں کی محبت کی توفیق پانے کا خواہاں رہے۔ ہر وقت یہی دعا مانگے کہ خدا سے قربت بتانیوالی باتیں حاصل ہوں۔ اپنے تمام حرکات و سکنات میں راضی برضا رہے اور شیوخ کی خدمت گزاری کی محنت برداشت کرے۔ یہ سب مرید کی صفتیں ہیں۔ اور جو انہیں کامل ہے وہی مُرید کامل ہے۔

اور فرماتے ہیں۔ ارادت کی حقیقت وجہ اللہ تعالیٰ کی ارادت ہے اور بس۔ اسلئے مرید ہمیشہ ہمیشہ خدا اور اسکی طاعت گزاری پر متوجہ رہیگا۔ غیر اللہ کی جانب کبھی رُخ نہ کریگا۔ اپنی دعا کی اجابت خدا سے مُنتے گا۔ اِسلئے کتاب و حدیث پر عامل رہیگا اور نور الٰہی کے ذریعہ سے ہر چیز کو دیکھیگا۔ اُسے خدا کے سوائے کوئی فاعل حقیقی نہ نظر آئیگا اور سب چیزوں کو وہ سبب مسخر دیکھے گا۔ نیند کا بہت غلبہ ہوا تو سو جائیگا۔ فاقہ اِس کی غذا ہوگی۔ اور بات کریگا تو بضرورت۔ ہمیشہ اپنے نفس کو نصیحت کرتا رہیگا۔ اِسکی لذتوں کی خواہشیں کبھی نمانیگا۔ امر اللہ کو اختیار کریگا۔ اور ہمیشہ اِس بات سے شرم کرتا رہیگا کہ خدائے پاک اِس کی ہر خفی و جلی حرکت کو دیکھتا ہے۔ تا امکان پوری کوشش کریگا کہ جو باتیں خدا کو محبوب ہیں ان کو بجالائے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ ہر ایسے سبب کو استعمال میں لائیگا جو اُسے خدا تک پہنچا دے مخلصاً للہ بکثرت نفل نمازیں ادا کرے اور ثواب کے کام کرنے سے خدا کا محبوب بنے گا۔ تا آنکہ واصل الی اللہ ہو کر اُسی کے ساتھ دیکھنے اور سُننے لگے گا اور اوسکی تمام قوت و طاقت خدا کی قوت و طاقت ہوگی۔ چلیگا تو خدا کے حکم سے اور جو حرکت کریگا یا سکون میں رہیگا سب کچھ مرضی ایزدی کے ماتحت اور

مطابق رہ کر کریگا - اور جب یہ حالت ہو جائیگی اُسوقت وہ مُراد کہلائیگا - اور اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائیگا -

غرضکہ مرید کی ابتدا یہ ہے کہ خدائے پاک اسکو مجاہدہ کی توفیق دے اور پھر اُسے اپنے قرب میں پہنچا دے جو کہ بیشتر واقع ہوتا ہے - چنانچہ اسی مقصد کے حصول کے لئے مُرید اپنے نفس اپنے شیطان اور اپنی نفسانی خواہش کے ساتھ آویزش کرتا اور اپنے خدا کی خلقت اور اُس کی بنائی ہوئی دُنیا و آخرت سب سے بے تعلق ہوکر ہر کشش جہت کو چھوڑ کے خالص خدا کی عبادت کرتا ہے اُس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اُسے کسی شئے کا خیال نہیں رہتا وہ دنیا کا کوئی کام نہیں کرتا - اسکی طرف میل کرنا یا اس میں مشغول ہونا نہیں چاہتا اپنے شیطان کے خلاف ہوتا ہے اور دنیا کو ترک کرکے ہم جنسوں اور بھائی بندوں سے بلکہ تمام مخلوق سے الگ تھلگ ہوکر اپنے رب کے حکم سے صرف اپنی آخرت کی طلب میں مصروف و منہمک رہتا ہے - اور پھر بحکم ایزدی اپنے نفس اور ہوائے نفسانی سے مجاہدہ کرکے محض اپنے مولا کی رغبت دلمیں پاتا اور آخرت کا خیال بھی بھول جاتا ہے اب نہ اسکے ساتھ کوئی تعلق رہتا ہے اور نہ وہ اسباب اور اہل و اولاد کا پابند رہ جاتا ہے - ہر طرف سے اُس پر جہات کا انسداد ہوکر محض ایک دروازہ رضا بالقضاء کا اُسکے سامنے کھلا رہجاتا ہے جس میں سے گزر کر اس پر قربت کا دروازہ کھلتا ہے اور وہ ترقی پاکے مجالس اُنس میں باریاب ہوتا ہے - وہاں اُسکو توحید کی کرسی پر بٹھایا جاتا ہے - اُسکے سامنے سے تمام پردے دُور کردیے جاتے ہیں اور وہ فردانیۃ کے ایوان میں داخل ہوتا ہے جس میں پہنچکر عظمت و جلال کا اُس پر انکشاف ہوتا ہے اور اُن اوصاف پر نظر پڑتے ہی بندہ لاہُو رہجاتا ہے اُس کا نفس اور اُس کی صفتیں سب محو ہوکر رہجاتی ہیں - اُس کا زور اور قوت فنا ہو جاتا ہے - حرکت یا ارادہ کوئی شئے نہیں رہتا تمام آرزوئیں سلب اور دنیا و آخرت تک کا جھگڑا دُور ہوکے ایسا ہو جاتا ہے جیسے کہ ایک بلّور کا شفاف

ظرف جس میں صاف وشفاف پانی بھرا ہوا اور اُسکے اندر تمام چیزوں کی اشباح عیاں ہوتی ہوں۔ اب اِس بندہ پر قدر کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا۔ اور امر الٰہی کے سوا کوئی اُسے وجود میں نہیں لاتا۔ بس اسکی حالت اُس بچہ کی سی ہوتی ہے کہ جبتک کھلایا نجائے نہ کھائے اور جبتک اُسکو کوئی اور نہ پہنائے نہ پہنے۔ وہ دنیا اور مخلوق میں ہوتا ہے مگر اپنے افعال اور اعمال و نیات اور سرائر میں اِنسے بالکل جُداگانہ ہوتا ہے۔ باہمہ اور بے ہمہ رہتا ہے۔ اور اُسوقت اُسکو صوفی کہتے ہیں۔

اور متاخرین کا قول ہے کہ جب مرید کو علم توحید (عقائد) اور احکام حاصل ہو جاتا ہے اور وہ یہ معلوم کرلیتا ہے کہ قرآن وحدیث میں کیا ہدایت ہے پھر اُس پر عمل پیرا بھی ہولیتا ہے اُس وقت اگر شیخ کو فراست ایمانیہ سے یہ بات نظر آئے کہ مرید میں کیاست و صلاحیت ہے اور اگر اُسکو معرفت الٰہی کی تعلیم دیجائے تو وہ اُسے حاصل کر سکتا ہے اُسوقت شیخ کو چاہئے کہ مرید کو ذکر کی تلقین فرمائے ورنہ ذکر کی قابلیت پیدا کرنے کے لئے پہلے اُسے اوراد اور اعمال میں لگائے پھر جب ذکر کی تلقین کرے تو اُسے یہ حکم دے کہ ہمیشہ اور ہر وقت حضور قلب کے ساتھ اور دل لگا کر جم کے ذکر کرتا رہے تاکہ ذکر اُس کی عادت بنجاوے اور بغیر اُسکے اختیار کے اُسکے قلب اور انفاس تک پر ذکر ہی جاری ہو جاوے۔ اور ذکر میں اسقدر پختگی آجانے کے بعد مرید کو فنا کے درجہ میں ترقی دے جس کی ابتدائی منزل فنا فی الشیخ ہے۔ اور اُس کی یہ صورت ہے کہ مُرید اپنے شیخ سے اتنی محبت کرے کہ اپنے تئیں اُسکے شہود میں تمام ماسوا سے غائب کردے اور فنا فی الشیخ کا یہ مرتبہ پا جانے کے بعد مُرید کو فنا فی الرسول کے درجہ میں منتقل کیا جائے۔ فنا فی الرسول کا درجہ شیخ کا باطن ہی اور اُس میں بھی مرید کو ترقی لازم ہے کہ وہ اِس فنا کے شہود میں ماسوی سے غائب و بیخبر بنجائے۔ اور بعد ازاں مُرید کو فنا فی اللہ کے مرتبہ میں منتقل کرنا چاہیئے جو کہ رسول کا باطن ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات باریتعالیٰ اور اُس کی صفات کے مظہر اتم

ہیں اور جمالِ حق کے آئینہ شفاف، اور شیخ وارث رسول اور رسول کے جمال ظاہر و باطن دونوں کا مظہر ہے۔

فنا فی اللہ کی ابتدا افعال اللہ میں فنا ہونا ہے۔ اُس کا یہ مدعا ہے کہ سالک کو خدا کے سوا کوئی اور فاعل ہی نہ نظر آئے بلکہ وہ ظہورِ حقیقت کے وقت عالم حدوث میں تصارفِ حق کا مشاہدہ کرنے لگے۔ اور اسکے بعد فنا فی صفات اللہ کے درجہ میں ترقی کرے جہانکہ اُسکو تمام اشیاء کا مشاہدہ خدا کے ساتھہ ہوگا۔ کیونکہ یہ جملہ اشیاء علم الٰہی میں اعیان ثابتہ ہیں۔ اور اِس بات کے حصول کا یہ نتیجہ ہوگا کہ اسماء وصفات کی کثرت عِلمی وحدت کا جلوہ دکھائیگی اور بندہ اپنے خدا کی صفات سے متصف اور اُسکے اسماء سے محقق ہوکر خدا ہی کی آنکھہ سے دیکھے گا اور اُسی کے وسیلہ سے سُنے گا اور اللہ ہی کے حکم و ارادہ سے کسی فعل کا فاعل ہوگا۔ اور یہ نوافل کا قرب ہے۔ قرب نوافل کے بھی تین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ کو عالم کائنات کی اشیاء پر صفات الٰہیہ کا جاری ہونا بالکل ایسا معلوم ہوگا کہ گویا حقیقت کا اجرا مجاز پر ہو رہا ہے۔ اور اِسکے بعد اُسے صفات کا جریان اِس طرح پر صاف نظر آئیگا جیسے کہ کوئی شخص آئینہ میں اپنے عکس کو دیکھتا ہے۔ اور بالآخر تیسرے مرتبہ میں قدیم اور باقی ہونے کے اندر ظاہر و باطن کا مشاہدہ ہونے لگیگا اب اِسکے نزدیک خدا کے سوا کوئی شے موجود نہو گی اور تمام مکونات معدوم و نابود ہوجائیں گی۔

پھر اِسکے بعد مرید کو فنا فی الذات کے درجہ میں ترقی ملیگی جہاں جہات کا استحالہ ہے اور نہ وہاں ظہور ہے اور نہ اسم ولقب ہے اور نہ نام ونسب اور نہ اضافات کا کوئی کام ہے اور یہ بات سلطان حقیقت کے استیلاء کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے . . . . بندہ شہود ذات ایزدی میں مستہلک اور فنا ہوکر رہجاتا ہے اور زاں بعد اُسکی غیبت اور زیادہ ہوتی ہے جس سے وہ بالکلیہ مستہلک فی

ذات اللہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اُسے اپنے فنا کا بھی کوئی شعور و احساس نہیں رہجاتا۔

اِس مرتبہ کا نام فناء الفنا اور نہایت ولایت ہے۔ اور یہ فرائض کا قرب ہے اور اِس قرب فرائض میں بھی تین تجلّیاں ہیں پہلی تجلّی اَحدِیّت یعنی اَحَدِیّت جمع ہے۔ اِسکے بعد ہُویّت کی تجلی ہے اور بالآخر تیسری تجلّی انیّت کی ہے جس کے بعد بندہ بعد از جمع پھر فرق کی طرف واپس کیا جاتا ہے اور حق اور خلق دونوں کے وجوہ کو ایک ہی وجود حقیقی میں دیکھکر اِس بات کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے کہ حق کا خلق میں اندراج ہے اور خلق کو حق میں اضمحلال تا آنکہ وہ کثرت کی صورت میں عین وحدت کو اور عین وحدت کو صورت کثرت میں اِس طرح مشاہدہ کرتا ہے کہ ایک دوسرے سے محجب و مخفی نہیں ہوتی اور اِس مقام میں مرید کو منجانب اللہ مشیخت کا اذن ملتا اور وہ خود خدا کی طرف سے تکمیل کا حکم پاتا ہے۔ اور اِسبات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بندہ کی روحانی ترقی کی انتہا تعین اوّل کے شہود تک ہی اور یہی تعین اوّل ذات بحت اور اطلاق صرف کا جلوہ گاہ ہے۔

اب رہا جلوہ فرما ذات کے مرتبہ کا پہچاننا سو وہ تو غیب الغیب اور سرّ السرّ ہے اُسکے اطلاق بحت میں ادراک کی کوئی سبیل ہی نہیں۔ یہ قطعی محال ہے اور جس نے صوفیہ کی شراب کا مزہ چکھا ہے وہی اِسبات کو جانتا ہے۔ واللہ اَعلم۔

وصلی اللہ علی سیدنا الحبیب الاعظم سیدنا محمد سید کُلِّ عالم و آلہ و صحبہ وسلم۔

اِس کتاب کی گردآوری اور ترتیب سے روز چہارشنبہ جمادی الاولی ۱۳۲۸ھ کو فراغت ہوئی۔ اور اسکے اتمام پر خدا کا شکر ہے۔

اور یہ اُردو ترجمہ ۵/ شوال ۱۳۳۳ھ روز چہارشنبہ کو بمقام علی گڈھ تکمیل پایا۔

و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ نبیہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین فقط

تمّت

اور شستگی کے ساتھ لکھائی چھپائی بھی نہایت دیدہ زیب ہے قیمت - - ۱۲ ار

حیات حافظ

خواجہ حافظؒ کے نام سے بچہ بچہ واقف ہے۔ اہل دل اُنکے خیالات پر وجد کرتے ہیں۔ لیکن اُنکے حالات بہت کم لوگوں کو معلوم ہوں گے اس کتاب میں خواجہ حافظ کی زندگی کے تمام سوانح جو مل سکے ہیں درج کئے گئے ہیں۔ اُن کی شاعری پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ اُن کے تصوّف اور صوفیانہ کلام کے دلچسپ اسرار بیان کئے گئے ہیں اور اُن کے دیوان سے جسقدر غزلیں نکالی گئی ہیں اور وہ سچی ثابت ہوئیں وہ سب درج کی گئی ہیں۔ نہایت تحقیق اور جستجو کے ساتھ یہ کتاب لکھی گئی ہے اور بیحد دلکش ہے۔ اہل دل، اہل مذاق، اہل علم اور شعراء کو اس کا دیکھنا واجبات سے ہے چھپائی لکھائی نہایت عمدہ۔ قیمت - - - - - عه

شرح فصوص الحکم

حضرت محی الدین بن عربیؒ کی فصوص الحکم کو اہل تصوّف کے نزدیک جو بلند پایہ حاصل ہے محتاج بیان نہیں۔ اسکے حقائق و معارف سے آگاہ کرنے کے لئے بہت سے علما نے عربی فارسی میں شرحیں لکھی ہیں۔ لیکن مولنا عبدالرحمن جامیؒ کی اس شرح کو جو مقبولیت اور امتیاز حاصل ہے وہ کسی دوسری کو نصیب نہیں ہوا۔ این سعادت بزور بازو نیست۔

بڑی تقطیع کے عمدہ ولایتی کاغذ پر ۲۶۴ صفحہ پر چھپی ہے اصلی قیمت للعہ، رعایتی قیمت عـ

ہر قسم کی خط و کتابت اور درخواستوں کے لئے پتہ { مینجر صاحب انسٹیٹیوٹ پریس علی گڈھ